کتاب و سنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا علمبردار
ماہنامہ
اشرف الجرائد
حیدرآباد
Volume:11 Issue: 9 September 2018
مدیر
مولانا محمد عبد القوی
ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد
www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

اسلام کا دفاع احسن طریقے سے ہو

مولانا عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ (سورۃ حم سجدہ)

ترجمہ: اور برابر نہیں نیکی اور بدی جواب میں، وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوست دار ہیں قرابت والا۔

تشریح: یہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں اسلام کے خلاف زہر اگلنے والے، بیخ کنی کی کوشش کرنے والے ظاہر ہوتے رہے اور اسلام پورے آب وتاب کے ساتھ پھلتا پھولتا رہا، اسلام مخالف لوگ اپنے منہ کی باتیں کر کے اسلام کی شبیہ بگاڑنے کی کوشش کرتے رہے، داعیانِ اسلام ان کا دندان شکن، مسکت جواب دیتے رہے، اب یہ ہر دور کا قصہ رہا ہے کہ جن لوگوں کو مذہبِ اسلام کی ترقی اور اس کے بے داغ تعلیمات راس نہیں آتیں وہ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح لوگوں کو اسلام سے متنفر بنائے، قرآن وحدیث میں سے اپنے من کی بات سیاق وسباق کو حذف کر کے لوگوں میں تشہیر کرتے ہیں تا کہ عوام کو ان بگاڑی ہوئی تعلیمات سے خوف زدہ کرسکیں، ان کے دلوں میں اسلام کے تئیں دہشت بٹھا سکیں، لیکن ان عقل ماؤف لوگوں کو یہ پتہ نہیں ہے کہ مذہبِ اسلام یہ زندہ جاوید مذہب ہے اور قدرت نے اس میں ایسی لچک دی ہے کہ جتنا مٹانے اور دبانے کی کوشش کی جائے گی اتنا ہی وہ اُبھرے گا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

ہر زمانہ میں بولہبی مزاج کے حامل لوگ وجود میں آتے رہے ہیں اور آتے رہیں گے، ان کی ہرزہ سرائی، زہر افشانی ہوئی ہے، ہوتی رہے گی۔ داعیانِ حق پر اسلام کے دفاع کی ذمہ داری پہلے بھی تھی اب بھی ہے آئندہ بھی رہے گی لیکن دفاع کا طریقہ کار اسلام نے واضح کر دیا ہے، اسی کی روشنی میں ہم دفاعِ اسلام کے پابند ہیں،

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہٰذا

اُس طریقے سے ہٹ کر اسلام کا دفاع کیا جائے تو ہمارے اس طرزِ عمل سے بجائے دفاع کا کام ہونے کے اسلام کی شبیہ مزید متأثر ہوسکتی ہے۔

مذکورہ آیت میں دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دینے والوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ برائی کا دفعیہ برائی سے نہ کریں بلکہ بھلائی سے کریں، لفظ احسن سے اشارہ مل رہا ہے کہ برائی کرنے والے کو معاف کردینا، اس کی سخت گفتگو سن کر سکوت اختیار کرنا یہ عمل حسن ہے اور احسن یہ ہے کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ بھی کیا جائے اور اس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کیا جائے جیسے صدیق اکبرؓ کو کسی شخص نے گالی دی یا کچھ بُرا کہا تو آپ نے اس سے فرمایا اگر تم اپنے کلام میں سچے ہو کہ میں مجرم وخطا کار ہوں تو خدا مجھے معاف کرے، اور اگر تم نے کذب بیانی سے کام لیا ہے تو خدا تم کو معاف کرے، حضرت ابن عباسؓ نے ارشاد فرمایا جو کوئی تم پر غصہ کرے اس کے مقابلے میں تم صبر سے کام لو، جو تمہارے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے تم اس کے ساتھ حلم و بردباری کا مظاہرہ کرو اور جو تم کو تکلیف پہونچائے تم اس کو معاف کرو اگر اس نہج پر دعوت دیں، دفاعِ اسلام کی خدمت ہوگی تو پھر نفرتوں کی دیوار مسمار ہوسکتی ہے، دشمن دوست بن سکتے ہیں۔

جب کبھی اسلام کے خلاف آواز اُٹھتی ہے تو ہر مسلمان کے دل کو ٹھیس پہونچتی ہے اور غیرتِ ایمانی کا تقاضہ بھی ہے کہ مسلمان کو تکلیف ہو مگر بات جب دفاع اور جواب دینے کی آتی ہے تو ہر مسلمان اپنا فرضِ منصبی سمجھتا ہے کہ اپنے انداز میں جواب دے یہ سراسر غلط ہے ہماری نادانی کی وجہ سے نہ صرف مسلمان کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ اسلام کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان ہوتا ہے، دفاعِ اسلام کی ذمہ داری، اسلام اور احکامِ اسلام اور اس کی باریکیوں پر مکمل نظر رکھنے والوں کی ہوتی ہے، وہ بھی اس طریقہ کار کے ساتھ جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔

آج کل سوشل میڈیا پر اسلام مخالف بیانات روزمرہ کا روگ بن گئے ہیں اسلام کے خلاف بے سروپا کی باتیں بڑی بے باکی سے کی جارہی ہیں، چاہے وہ جہاد کا مسئلہ ہو یا طلاق کا، اذان کا مسئلہ ہو یا کھلے میدان میں نماز ادا کرنے کا، قدآور لوگ بھی حصہ لے رہے ہیں بے حیثیت لوگ بھی؛ لیکن یہ آواز مسلمانوں کی سماعت وبصارت سے ٹکراتی ہے تو بعض مسلم گوشوں سے جواب جہالت سے ان ہی کی زبان میں دیا جو بالکل اسلامی تعلیمات کے مغایر ہے، جواب دینے والوں کو یہ جہاد کی ضرورت کا پتہ ہوتا ہے نہ طلاق کے ناگزیر ضرورت کا، وہ گالی گلوج میں جواب دینا چاہتے ہیں جس سے فائدہ موہوم تو ہے ہی اور نقصان یقینی ہے، جواب دینے والے کا نفس تو آرام پالیتا ہے مگر اسلام کی شبیہ کو نقصان پہنچتا ہے یہ کام قابلِ قدر ذی استعداد، اسلام کے نوک و پلک سے واقف، رمز شناس صالح علماء کا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو ہر کام میں اپنی رضا کی خاطر بطریق احسن کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

درسِ حدیث

اعمالِ صالحہ جلدی کرو ان فتنوں سے پہلے

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ: بَادِرُوْا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا أَوْ يُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اعمال صالحہ جلدی کرو اُن فتنوں کے آنے سے پہلے جو اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح پے بہ پے آئیں گے (حال یہ ہوگا کہ) صبح کرے گا آدمی اس حال میں کہ اس میں ایمان ہوگا، اور شام کرے گا اس حال میں کہ وہ ایمان سے محروم ہو چکا ہوگا، اور شام کو وہ مومن ہوگا اور اگلی صبح وہ مومن نہ رہے گا کافر ہو جائے گا، دنیا کی متاعِ قلیل کے بدلے وہ اپنا دین وایمان بیچ ڈالے گا۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ آپ کی امت پر ایسے حالات بھی آئیں گے کہ رات کے اندھیرے کی طرح نوع بہ نوع فتنے لگاتار برپا ہوں گے، اُن کی وجہ سے ایسا بھی ہوگا کہ ایک آدمی صبح کو اس حال میں اُٹھے گا کہ اپنے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے اچھا خاصا مومن ہوگا لیکن شام ہوتے ہوتے وہ کسی گمراہی یا بدعملی میں مبتلا ہو کر اپنا دین وایمان برباد کر دے گا۔

یہ فتنے گمراہانہ تحریکوں اور دعوتوں کی شکل میں بھی آسکتے ہیں اور آتے رہتے ہیں اور مال ودولت یا اقتدار کی ہوس اور دوسری نفسانی خواہشات کی شکل میں بھی، حدیث کا آخری جملہ ''يَبِيعُ دِينَهُ بِعَرَضٍ مِنَ الدُّنْيَا'' (دنیا کی قلیل متاع کے بدلے اپنا دین وایمان بیچ ڈالے گا) اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ حدیث کا یہی مطلب نہیں ہے کہ آدمی دینِ حق اسلام کا منکر ہو کر ملت سے خارج اور ٹھیٹ کافر ہو جائے گا، بلکہ اس میں وہ سب

صورتیں داخل ہیں جن میں آدمی دنیا کے لئے (جس میں مال ودولت اور اقتدار کی ہوس اور ہر طرح کی نفسانی اغراض شامل ہیں) دین کو یعنی اللہ ورسول کے احکام کو نظر انداز کردے، اس طرح دنیا کی طلب میں آخرت فراموشی اور ہر قسم کا فسق وفجور بھی اس میں شامل ہے جو عملی کفر ہے۔

جیسا کہ بار بار عرض کیا جاچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات کے مخاطب اگر چہ بظاہر صحابہ کرامؓ ہی ہوتے تھے لیکن فی الحقیقت اِن کے مخاطب ہر دور کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پیام اور وصیت کا حاصل یہ ہے کہ ہر مومن، آنے والے ایمان کُش فتنوں سے ہوشیار رہے اور اعمالِ صالحہ کے اہتمام میں سبقت اور جلدی کرے، ایسا نہ ہو کہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر اعمالِ خیر کی توفیق ہی نہ ہو۔ نیز اگر اعمال صالحہ کرتا رہے گا تو وہ اس کا مستحق ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے فتنوں سے اس کی حفاظت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اور ساری امت کی ان ایمان سوز فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ آمین

(ماخوذ از: معارف الحدیث: ۱۴۱/۸)

ماہنامہ ''اشرف الجرائد'' کے ممبران کی خدمت میں!

بحمد للہ ماہنامہ بہ پابندیٔ وقت آپ کے نام ارسال کیا جارہا ہے، ہر شمسی ماہ کی ۵/تاریخ کو محکمۂ ڈاک کے حوالے کردیا جاتا ہے، امید ہے کہ وہ آپ کے گھر پہونچ رہا ہوگا اور آپ اس سے مستفید بھی ہورہے ہوں گے، جن ممبران کی مدتِ خریدی ختم ہوچکی ہے، وہ سالانہ زرِتعاون دفتر کے پتے پر بذریعہ منی آڈر یا بذریعہ اکاؤنٹ ارسال فرمائیں اور دفتر کو بھی ضرور اطلاع دیں، تاکہ آپ کے ماہنامے کی تجدید ہوجائے۔ جن ممبران کو ماہنامہ نہ ملنے کی شکایت ہے وہ اپنے مقامی پوسٹ آفس سے ربط کریں۔ یا دفتر اشرف الجرائد سے ربط کرکے اپنے دیئے گئے پتے کی تحقیق فرمالیں۔

پتہ

Office: Ashraful jaraid(Monthly Magazine)
C/o Idara Ashraful uloom Hyderabad
17-1-391/2, Khaja bagh sayeedabad Colony
Hyderabad-59 T.S.

A/c **035210011034204,** IFSC CODE:**ANDB0000352**
ANDHRA BANK, MALAKPET BRANCH

Email: Ashrafuljaraid2007@gmail.com, Cell: 9866619359

پیش گفتار

نصیحۃ الانعام[۱]

یہ داعیٔ عظیم، امیر جماعت تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کا ایک خصوصی خطاب ہے، جوانہوں نے آج سے ۳۳ سال قبل ۲۷ رفروری ۱۹۸۵ء کو بعد نمازِ ظہر بنگلور میں منعقدہ پرانوں کے تربیتی جوڑ سے کیا تھا، یہ نہایت جامع اور مؤثر خطاب افادۂ عام کے لئے ادارہ اشرف العلوم نے اسی زمانے میں شائع کیا تھا، آج تین دہائیوں کے بعد جماعت جس آزمائشی دور سے گذر رہی ہے اس کے حوالے سے یہ قیمتی، چشم کشا اور روح افزا وعظ اشرف الجرائد کے ادارتی صفحات میں عامۂ مسلمین کے لئے عموماً اور دعوت وتبلیغ کے کارکنان کے لئے خصوصاً دوبارہ پیش کیا جارہا ہے، اگر ہر قسم کی عصبیت سے بلند ہوکر دیدۂ عبرت سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ ملتِ اسلامیہ کے کسی بھی شعبے میں زوال واضمحلال اور افتراق وانتشار کا اصل سبب اپنی آخرت اور اپنی اصلاح کی فکر کی کمی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ خدا کرے کہ تمام خدامِ دین حضرتؒ کے اِن مختصر مختصر مگر نہایت وقیع وثمین جملوں کو غور سے پڑھیں اور اپنے لئے سرمۂ بصیرت بنالیں۔ آمین

از: مدیر

میرے عزیز ودوستو بزرگو! دودن سے یہ بات کان میں پڑ رہی ہے کہ ہمارا کام، ہمارا کام، ہمارا کام، ہمارا کام۔۔۔ **کام آخر کیا چیز ہے؟** کام ہے دین! (یعنی) اللہ کے احکامات کا زندگی میں آجانا؛ کیوں کہ یہ خدا کی مددوں کا لانے والا ہے، یہ خدا کی نصرتوں کا کھینچنے والا ہے، دین ہی وہ راستہ ہے جس کے ذریعہ سے خدا کی مدد حاصل کی جاسکتی ہے، رحمت اُتاری جاسکتی ہے، **وہ دین کیا ہے؟** وہ یہ کہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ کے اندر خدائی احکامات زندہ ہوجائیں، ہمارے کاروبار، وہ بھی خدا کے حکموں کے مطابق ہورہے ہوں، ہماری بود وباش بلکہ ہر کام وہ بھی خدا کے حکموں کے مطابق ہورہا ہو، ہمارے اخلاق، وہ بھی خدا کے حکموں کے مطابق زندہ ہو رہے ہوں، احکاماتِ خداوندی دو طریقے کے ہیں ایک جو ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، معاملات بیع وشرا کے احکامات وغیرہ، یہ احکام ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ایک احکامات وہ ہیں جو انسان کے باطن سے

[۱] یہ وعظ اسی وقت کیسٹ سے سُن کر مفتی سبیل احمد صاحب زید مجدہم نے من وعن تحریر میں منتقل کیا تھا۔

تعلق رکھتے ہیں؛ **جیسے ظاہر کے فرائض واحکامات ہیں ویسے ہی باطن کے احکامات (بھی ہیں)** جیسے تقویٰ ہے، زہد ہے، رضا بالقضا ہے، صبر وشکر ہے، حلم ہے، بردباری ہے، عفو ہے، تواضع ہے، انکساری ہے، یہ بھی خدائے پاک کے احکامات ہیں، انہیں طریقت کہا جاتا ہے، طریقت کوئی شریعت سے الگ چیز نہیں ہے، وہی احکامات جو شریعت نے ظاہر کے دے رکھے ہیں وہی احکامات باطن کے بھی ہیں، دونوں احکامات کے پورا کرنے میں لگنا یہ ہے شریعت! ایک طبقہ وہ ہے جو باطن کے احکامات کو پورا کرنے میں، اس کے سدھارنے میں اس کو اپنے اندر لانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، وہ اولیاء کرام کہلاتے ہیں، **یہ ہمارا کام جو ہے وہ کیا ہے؟** ظاہر کے احکامات کو پورا کرنا اس طریقہ سے کہ باطن کے احکامات (بھی) اس میں اُجاگر ہوتے ہوں، اس کی ہم کوشش کر رہے ہوں، ہم جو نماز کی، تعلیم کی، تسبیح کی دعوت دے رہے ہیں اس کی کوشش کر رہے ہیں، اس کے بارے میں جو کچھ اپنے اوپر پیش آرہا ہے اس پر ہم صبر کر رہے ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ اگر دل خوش کن بات سامنے آرہی ہو اس کے اوپر شکر کر رہے ہوں اور اپنے کرنے میں خدائے پاک عزاسمہ پر بھروسہ کر رہے ہوں اور پھر جو کچھ پیش آرہا ہو اس کے اوپر راضی ہو رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہو رہے ہوں، ظاہری احکامات پورا کرنے میں جو ہمارے اوپر بیت رہی ہے اس کے اندر ہم اپنے باطنی احکامات کے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہوں تو پھر ہماری ترقی ہوگی، ہم بڑھتے چلے جائیں گے اور خدائے پاک ہمیں دین کا عامل (یعنی دین پر عمل کرنے والا) قرار دیں گے۔

یہ ظاہر وباطن دونوں احکامات کو لے کر چلنا **یہی انسان کی اصل ذمہ داری ہے**، اور اگر اپنے ظاہر کے احکامات کے اوپر محنت کرنے میں اپنے باطنی احکامات کی کوشش نہیں کی تو اس سے رذائل بھی پیدا ہوتے ہیں جیسے ظاہر کے منہیات ہوتے ہیں جیسے جھوٹ ہے، غیبت ہے، چوری، شراب خوری، بدکاری یہ چیزیں ممنوع ہیں، ایسے ہی باطن کے بھی منہیات ہیں جیسے تکبر ہے، تحقیر ہے، غیبت ہے، عجب ہے، اپنی بڑائی کی عادت ہے یہ چیزیں باطن کی ممنوعات ہیں، اگر ہم اپنے باطنی احکامات کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کریں گے پھر یہ باطنی منہیات ابھریں گی اور **یہ منہیات ابھریں گی تو جو ظاہر کے احکامات ہیں ان کی بھی جان نکل جائے گی۔**

میرے عزیز ودوستو بزرگو! خدائے پاک نے ہمیں ایک کام دیا ہے، ایک محنت دی ہے، اس محنت کے کرنے میں اپنی خوشی یہ ہو کہ ہم اپنے باطنی احکامات کو بجالا رہے ہوں، ہمارے اندر دوسرے کے آرام کی دوسرے کے احترام کی اور اپنے اندر تواضع کے آنے کی، اپنے اندر خدا پر بھروسہ کرنے کی اور اپنی زندگی میں تقویٰ کے آنے کی کوشش کر رہے ہوں، یہ کوشش جتنی ہوگی **یہ صفات جتنی آئیں گی اتنی خدائے پاک ہمارے**

اس کام میں برکت نصیب فرمائے گا، اس کام کو آگے بڑھائے گا، خدائے پاک ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتے وہ قلوب کی نیتوں کو دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے یہاں جو پوچھ ہے وہ دلوں کی، اور دلوں کے اندر کی نیتوں کی پوچھ ہے، ظاہر کے اعمال جو ہیں وہ اس کے (یعنی باطنی صفات کے) عنوانات ہیں ان (عنوانات) کی طرف خدائے پاک نہیں دیکھتے ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کے ارادوں کو، تمہارے دل کی نیتوں کو دیکھتے ہیں، **یہ جو کام ہم کر رہے ہیں اس کے اندر اپنی اصلاح کی نیت ہونی چاہیئے،** ہم اپنے احکاماتِ باطنی کو پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہوں، اس کے حاصل کرنے کی فکر کر رہے ہوں، نہ یہ کہ ظاہر کے اعمال کو لے کر باطنی اعمال توڑ رہے ہوں اور فضائل کے بجائے رذائل اپنے اندر آرہے ہوں، صفاتِ حسنہ کے بجائے صفاتِ رذیلہ اپنے اندر آرہے ہوں۔

میرے عزیز دوستو! (مقولہ مشہور ہے) ''نہ کردن عیب و کردن صد عیب'' کرنے والے کو اپنے کرنے کے اندر اس کی ٹوہ رکھنی ہے کہ اس کے اندر کوئی بیماری تو نہیں چل رہی ہے، اس کے اندر کوئی غلط بات تو نہیں آرہی ہے، اس کے اندر کوئی رذیلہ تو پیدا نہیں ہو رہا ہے، (یہ دیکھنا ہے کہ آیا) میرے اندر اس سے حسنات پیدا ہو رہے ہیں یا میرے اندر اس سے رذائل پیدا ہو رہے ہیں؟ **کام کرنے والے جتنا اپنی (اصلاحِ باطن کی) فکر کریں گے اسی قدر نفع ہوگا، ظاہر کے اعمال کرنے پر مطمئن ہو جانا یہ بہت خطرہ کا راستہ ہے،** ظاہر کے اعمال کرتے ہوئے (اگر ہم) اپنے باطنی اعمال کی فکر کر رہے ہوں تب تو انشاء اللہ ترقی ہوگی، مدد ہوگی، خدا کی رحمت شامل حال ہوگی (اور) اگر ایسا نہیں ہو رہا ہے میرے بھائیو اور دوستو! اگر ہم ظاہری اعمال پر اترا رہے ہوں، اکڑے جا رہے ہوں، اس سے خود پسندی کے اندر مبتلا ہو رہے ہوں، اپنے حقوق دوسروں پر جتلا رہے ہوں تو یہی چیز گرنے کی، گرانے کی، اور تنزلی کی اصل ہے اور **یہی چیز ہمارے اندر سے حقیقت کے نکل جانے کا ذریعہ بنے گی۔**

اس لئے میرے عزیز و دوستو! کام کرنے والوں کو ظاہری اعمال پر محنت کرنی ہے، کوشش کرنی ہے یہ جو (چھ) نمبر ہیں اس کے اندر کوشش کرنی ہے؛ لیکن اس صورت کے ساتھ کہ اپنے اندر صفاتِ (حسنہ) پیدا ہوں، اخلاق پیدا ہو رہے ہوں، **ہر کام کرنے والا کام کرنے کے اندر اپنی فکر کر رہا ہو، اپنے آپ کو نہ بھول رہا ہو،** اپنی انفرادی زندگی کو سامنے رکھ کر چل رہا ہو، انفرادی زندگی کو سامنے رکھ کر چلنے کے یہ معنی نہیں کہ (بس اپنی) دوکان دیکھ رہا ہو، اپنا مکان دیکھ رہا ہو، نہیں! بلکہ یہ دیکھ رہا ہو کہ میرے اندر رذائل (یعنی بُرے اخلاق) تو پیدا نہیں ہو رہے ہیں؟ میرے اندر اس کی وجہ سے دوسرے کے اوپر اپنا حق جتانا تو نہیں آرہا ہے؟ اس سے کہیں میرا نفس تو نہیں پھول رہا ہے؟

میرے عزیز ودوستو! تھوڑی سی توجہ سے اگر کام لیا، اور اپنی (اصلاح کی) فکر کی تو اسی سے صفات پیدا ہوں گے (یعنی صفاتِ حسنہ) اور اس کے اندر تھوڑی سے بے پرواہی، تھوڑی بھی بے فکری برتی گئی تو اس سے رذائل (یعنی ناپسندیدہ صفات) پیدا ہوں گے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے، اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

اس واسطے کام کرنے والا بڑے خطرے میں ہے اگر اخلاص نہ ہو، سب سے پہلی چیز جو اس کام میں ہے وہ اخلاص ہے، کہ ہمارا یہ کام خدا کے لئے ہورہا ہو، (اس پر گہری نظر ہونی چاہیئے کہ) اس کے اندر اخلاص کے علاوہ کا کوئی شائبہ تو نہیں؟، (خوب یاد رکھو!) خدائے پاک کے یہاں کوئی ایسا عمل قابل قبول نہیں جس کے اندر اخلاص نہیں۔

اخلاص کیا ہے؟ اخلاص یہ ہے کہ اس عمل کے کرنے سے صرف خدا ہی کی رضا مقصود ہو: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، جس عمل سے خدا ہی کی رضا طلب کی جارہی ہو، کوئی اور غرض اس کے اندر نہ ہو، وہ ہے اخلاص، اور جو عمل اخلاص کے ساتھ کیا جاتا ہے وہی قبول ہوتا ہے، اسی طرح (اعمال کے) قبول ہونے کے لئے تقویٰ بھی ایک شرط ہے، اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ تقویٰ کی صفت اگر ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں، **تقویٰ کیا چیز ہے؟** نامناسب چیزوں سے اپنے آپ کو بچانا، تقویٰ کے معنی ہیں دامن بچا کر نکل جانا، ہر نامناسب چیز سے اپنے دامن کو بچانا، یہ تقویٰ ہے۔ اس تقویٰ کے ساتھ عمل کیا جائے گا، کوشش کی جائے گی، دین کی محنت کی جائے گی، تو پھر یہ دین کی محنت ہے، (یہ محنت) ایسی اللہ کی رحمتیں کھینچے گی کہ کوئی اس روک نہیں سکے گا، پھر وہ رحمتیں پوری انسانیت کو ہدایت کے گھیرے میں لے لیں گی۔

میرے عزیز دوستو! **اس کام میں جو پُرانے خیال کئے جاتے ہوں** (وہ غور کریں کہ) پرانا پن کا کیا مطلب ہے؟ یہ صفات کا نام ہے، کوئی زمانہ کا نام نہیں ہے۔ (یعنی پُرانا ہونا صفاتِ حسنہ کے پختہ ہونے کا نام ہے، وقت لگانے کے اعتبار سے پُرانے ہونے کا نام نہیں) حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کے انتقال کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کے ساتھ ایک جماعت بنا کر بھیجا، حضرت عمرؓ نے نام لینے چاہے بتلاؤ بھئی کون جائے گا؟ بتلاؤ بھئی کون، دو دن ہو گئے کوئی بولتا ہی نہیں تھا، پھر نام پیش کرنے میں جس نے پہل کی وہ حضرت ابوعبیدہ ثقفیؓ تھے، پھر گاڑی چل گئی، نام آنے شروع ہو گئے، (اس کے بعد) امیر کا مسئلہ آیا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو امیر بنایا جو کہ صحابی نہیں تھے، لوگوں نے عرض کیا حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بڑے بڑے صحابہؓ ہیں اور ان کے اوپر آپ امیر بنا رہے ہو ابوعبیدہؓ کو جو کہ صحابی نہیں ہیں، جنہیں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت بھی حاصل نہیں ہوئی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: صحابہ کرامؓ کی خصوصیت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پکار پر وہ

لبیک کہتے تھے اور یہ یہ صفات تھیں، جن کی وجہ سے ان کا تقدم تھا وہ آگے بڑھے ہوئے تھے، مگر آج میرے پکارنے اور بُلانے پر لبیک سب سے پہلے ابوعبیدہؓ نے کہی، اس لئے وہی امیر بنیں گے۔

تو اس واسطے میرے عزیز دوستو! **خدائے پاک کا جو معاملہ ہوتا ہے وہ صفات پر ہوتا ہے** وہ دلوں کی کیفیات کو دیکھتے ہیں، اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے باطنی اعمال کی فکر کر رہے ہوں گے، ان کو پورا کر رہے ہوں گے، اور ان کے حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ **یہ باطنی صفات جو ہیں یہ بھی اوامر ہیں، یہ بھی خدا تعالیٰ کے احکامات ہیں**، یہ نہیں کہ یہ شریعت سے کوئی الگ چیز ہیں، شریعت ہی کا ایک حصہ ہیں جو باطن سے تعلق رکھتا ہے، اور ایسا حصہ ہے کہ **اس کے اوپر ظاہری شریعت کے جان دار ہونے کی اور اس کے قوی ہونے کی اللہ نے بنیاد رکھی ہے۔**

اس لئے میرے عزیز و دوستو! خدائے پاک ہمارے جمع ہونے کو قبول فرمائے، ہر شخص کو اپنی اپنی فکر ہو، **فکر کس بات کی؟** اس کی کہ میں تقویٰ میں بڑھ رہا ہوں، تواضع میرے اندر بڑھ رہی ہو، اخلاص میرے اندر پیدا ہو رہا ہو، اور اس کام کے کرنے کے اندر کوئی نفسانیت کوئی غرض کا شائبہ تو نہیں؟ اس کی فکر ہو۔

دیکھو! خدائے پاک کے ساتھ معاملہ ہے، وہ دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتے ہیں، جب تواضع ہوگی، اخلاص ہوگا، تقویٰ ہوگا تو پھر آدمی اپنے ہر ہر عمل کے اندر ڈر رہا ہوا ہوگا، چاہے معاملات ہوں، چاہے معاشرت ہو، چاہے اخلاقیات ہوں، کہیں اس کے اندر بے عنوانی نہ ہو جائے، کہیں اس کے اندر نفس کا شائبہ نہ ہو جائے، ہمارے معاملات درست ہوں، ہمارے اخلاق درست ہوں، کیوں؟ اس لئے کہ ہم کو اپنے خدا کو راضی کرنا ہے، **ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً** (دین کے) سارے اجزاء کو پورا کرنا ہے، **یہ ہے دین کا راستہ، یہ ہے صحیح دین**، اللہ مجھے بھی نصیب فرمائے اور تمہیں بھی نصیب فرمائے، جو کام کرنے والا سمجھا جاتا ہے وہ یہ نہیں کہ دوسروں کے اندر کام کرنے میں اپنے آپ کو بھول جائے نہیں بلکہ اپنے اندر صفات کو لانے کی فکر کے ساتھ کام کرے کہ مجھ میں تواضع، تقویٰ، اخلاص کتنا بڑھ رہا ہے، **جب اس فکر کے ساتھ کام کرو گے تب اللہ راضی ہوں گے**، اللہ پاک کے یہاں سے پاؤ گے۔

اللہ پاک مجھے بھی نصیب فرمائے، اور تمہیں بھی، خدائے پاک ہمارے اندر اپنی فکر پیدا فرمائے، خدائے پاک ہمارے ظاہری اور باطنی اوامر کے بجالانے اور ظاہری و باطنی وبال سے بچنے کی دولت نصیب فرمائے۔ دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ (آمین، و صلی اللہ علی النبی الکریم)

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

☆حضرت فاطمہ بنت خطابؓ:

نام ونسب: فاطمہ نام، ام جمیل کنیت، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں۔

قبولِ اسلام:

اپنے خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئیں، یہ اوائل اسلام کا واقعہ ہے، کچھ دنوں کے بعد ان کے بھائی یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کیا، اس قصہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جارہے تھے کہ راستہ میں ایک مخزومی صحابی ابونعیم رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، پوچھا کہ تم نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر محمد کا مذہب اختیار کیا ہے، بولے: ہاں، لیکن پہلے اپنے گھر کی خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے بہن کے گھر پہنچے، دروازہ بند تھا، اور قرآن پڑھ رہی تھی، ان کی آہٹ پا کر چپ ہوگئیں، اور قرآن کے اجزاء چھپادیئے، لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی، پوچھا کہ: یہ کیا آواز تھی؟ تو انہوں نے کہا کہ: کچھ نہیں، بولے میں سن چکا ہوں، تم دونوں مرتد ہوگئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست وگریبان ہوگئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بچانے کے لئے آئیں تو ان کی بھی خبر لی، بال پکڑ کر گھسیٹے اور اس قدر مارا کہ ان کا بدن لہولہان ہوگیا، اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا عمر! جو ہوسکے کرلو، لیکن اب اسلام دل سے نہیں نکل سکتا، ان الفاظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل کی کایا پلٹ دی، ان الفاظ نے ان کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون جاری تھا، اس کو دیکھ کر اور رقت طاری ہوئی، فرمایا: تم کیا پڑھ رہے تھے، مجھ کو بھی سناؤ، قرآن کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو پڑھتے جاتے تو ان پر رعب طاری ہوجاتا، ایک آیت پر پہنچ کر پکار اٹھے ’’اشھد ان لا الہ الا اللہ وأشھد أن محمدا رسول اللہ ‘‘(الاصابہ)

ہجرت: اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کی۔ اولاد میں ایک لڑکا عبدالرحمٰن تھا۔

* رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

☆حضرت امامہ رضی اللہ عنہا:

یہ حضرت ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیٹی ہیں، جو زینب رضی اللہ عنہا بنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بطن سے تولد ہوئیں، ان کا آبائی شجرۂ نسب اس طرح ہے، امامہ بنت ابوالعاص بن ربیع بن عبدالعزی بن عبد شمس بن عبدمناف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اپنی نواسی سے محبت:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو امامہ رضی اللہ عنہا سے بے انتہا محبت و الفت تھی، آپ ان کو بہ حالت نماز بھی جدا نہ فرماتے تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ آپ مسجد میں امامہ رضی اللہ عنہا کو کندھے پر اٹھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتارتے، پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوری نماز ادا فرمائی۔ (بخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیئے میں دی، جن میں ایک زریں ہار بھی تھا، اُمامہ ایک گوشہ میں کھیل رہی تھیں، آپ نے فرمایا: میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا، ازواج نے سمجھا کہ شاید یہ شرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوگا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا، بعض روایتوں میں ہار کے بجائے انگوٹھی کا ذکر ملتا ہے اور ہدیہ بھیجنے والے کا نام بھی آیا ہے۔ یعنی نجاشی (طبقات ابن سعد)۔

نکاح:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے وقت سن شعور کو پہنچ چکی تھیں، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ کو ــــ جو عشرۂ مبشرہ میں داخل ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی ہوتے ہیں ــــ ان کے نکاح کی وصیت کی تھی چنانچہ تقریب ان ہی کی مرضی سے انجام پائی اور نکاح بھی انھوں نے ہی پڑھایا، یہ سن ۱۱ ہجری کا واقعہ ہے۔

سن ۴۰ ہجری میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو مغیرہ بن نوفل (عبدالمطلب کے پڑپوتے) کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کرلیں، چنانچہ مغیرہ نے تعمیل کی، اس سے قبل امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی پیغام نکاح بھیجا تھا، اور انہوں نے مروان کو لکھا تھا کہ ایک ہزار دینار اس تقریب میں خرچ کئے جائیں، لیکن امامہ رضی اللہ عنہا نے مغیرہ کو اطلاع دی تو انہوں نے فوراً حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اجازت سے نکاح پڑھالیا۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ)۔

اولاد: مغیرہ سے ایک لڑکا تولد ہوا جس نام "یحییٰ" تھا، لیکن بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ امامہ رضی اللہ عنہا کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اصلاحی مضامین

کیا حرم کا تحفہ زم زم کے سوا کچھ بھی نہیں؟؟؟

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی قاسمی*

ہر آدمی یہ بات بہ خوبی جانتا ہے کہ کوئی بھی اچھا یا بُرا عمل اپنے اندر ایک تاثیر رکھتا ہے اور سنت اللہ بھی یہی ہے کہ انسان کے جملہ اعمال اختلافِ نوعیت کے ساتھ ترتبِ احوال کا ذریعہ ہوتے ہیں؛ صحت و مرض، نفع ونقصان، کامیابی وناکامی، خوشی وغمی، بارش وخشک سالی، مہنگائی وارزانی، بدامنی ودہشت گردی، وبائی امراض، زلزلہ، طوفان، سیلاب وغیرہ، یہ سب ہمارے نیک وبد اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

اسلامی عبادات میں حج بھی ایک ایسی عظیم الشان عبادت ہے جو حاجی کے حالات کو بدلنے اور صاف ستھری پاکیزہ زندگی کا از سرِ نو آغاز کرنے کے لیے نہایت زرین موقع فراہم کرتی ہے، اس لئے کہ حج کے تمام مشاعر، مقامات اور ارکان اپنے گوناگوں تاثرات اور دیرپا تاثیرات کی بناء پر حاجی کی زندگی میں خیر و برکت کی نئی بہار لانے میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ چونکہ ان مقامات کی اہمیت اور عظمت ایک سچے مسلمان کے دل میں اچھی طرح پیوست ہوتی ہے، اس لیے لازماً اس کا نفسیاتی اثر دل پر بہت گہرا پڑتا ہے، شب و روز برکتوں اور رحمتوں کا نزول، انوار الٰہی کی مسلسل بارش، نورانی ماحول، مقدس فضاء، گناہوں پر ندامت و پشیمانی کے ساتھ توبہ واستغفار، دعاء وزاری، فریاد و بکاء، آہ ونالہ پھر آثارِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کش نظارے، روضۂ اقدس کے حسین مناظر، صحابہؓ کا مدفن، مدینے کے کوچے، بطحاء کی وادی، احد کی پہاڑی اور بھی بے شمار حالات و مقامات؛ جو قدم بہ قدم لوح دل پر ایسے ان مٹ نقوش ثبت کر جاتے ہیں جن کی برکت سے پتھر دل بھی ان کے درمیان موم بن جاتے ہیں اور حاجی اس ابر کرم کے چھینٹوں سے گناہوں کی تپش کو دور کرتا ہے؛ جو بہ طور خاص اس موقع پر مہمانانِ خدا کے لئے عرش الٰہی سے برستے ہیں۔ لہٰذا فریضہ حج انسان کی گزشتہ اور آئندہ زندگی کے درمیان ایک حد فاصل قائم کر دیتا ہے اور اصلاح و تربیت کی جانب اپنی زندگی کو پھیر دینے کا موقع بہم پہونچاتا ہے، یہاں سے انسان اپنی پچھلی زندگی بھول کر ایک نئی زندگی شروع کر دیتا ہے، اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے خدا کے لئے حج کیا اور اس میں ہوس آرائی نہ کی اور گناہ نہ

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کیا تو وہ ایسا ہو کر لوٹتا ہے جیسے اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اس جنم دیا، اسی حج کو نبوت کی زبان حق شناس نے حج مبرور سے تعبیر کیا اور یہی حج دراصل ان تمام برکتوں اور رحمتوں کا خزانہ ہے۔

دنیا میں اس وقت سات بڑے عجائب مشہور ہیں، ان کے علاوہ مختلف تاریخی مقامات، خوبصورت مناظر اور آثار قدیمہ ان پر مستزاد ہیں؛ لیکن ان سب کا حال یہ ہے کہ انسان اگر ان کو پانچ، دس مرتبہ بھی دیکھ لے تو ان سے اس کا جی بھر جاتا ہے اور مزید انہیں دیکھنے کا دل نہیں کرتا: مگر ایک بیت اللہ شریف دنیا میں ایسی مقناطیسی عمارت ہے کہ جس کو دیکھتے ہی انسان کا دل اس کی طرف کھنچا چلا جاتا ہے اور وہ انسان کے دل کو موہ لیتا ہے اور اس کو دیکھتے رہنے سے آنکھیں کبھی سیر نہیں ہوتیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک انسان خود حج کرنے نہ جائے محض حج کے فوائد و ثمرات سننے سے وہ اس کے فوائد و برکات کو کما حقہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ انسان جب خود حج کرنے جاتا ہے تب اسے اس کے حقیقی منافع اور اس کی برکات سمجھ میں آنے لگتی ہیں اور پھر اس کا دل گواہی دیتا ہے کہ اس کے اندر انقلاب آرہا ہے، اس کے کردار میں تبدیلی آرہی ہے، اس کی سوچ تبدیل ہو رہی ہے، اس کے جذبات بدل رہے ہیں۔ چنانچہ بیت اللہ شریف جا کر انسان خود محسوس کرنے لگتا ہے کہ میں وہ نہیں ہوں جو اپنے وطن میں تھا بلکہ یہاں آکر میں کچھ اور ہو گیا ہوں، یہ سب حج بیت اللہ کے حیرت انگیز اثرات کا نتیجہ ہے۔

حجاج کرام اس فرق کو ملحوظ رکھیں! ایک ہے حج کا قبول ہونا اور ایک ہے حج کا ادا ہونا۔ یہ دونوں الگ الگ باتیں ہیں۔ حج ادا تو اسی وقت ہو جاتا ہے جب آدمی اس کے تمام اعمال قاعدے کے مطابق ادا کرلے۔ حج کے دو ہی رکن ہیں: ایک وقوف عرفہ، خواہ ایک منٹ کے لئے ہی ہو اور دوسرے طواف زیارت۔ باقی کچھ واجبات ہیں، کچھ شرائط ہیں اور کچھ سنن و مستحبات ہیں۔ لہٰذا اگر حج شرعی طریقہ کار کے مطابق ادا کیا جائے تو وہ ادا تو ہو جاتا، لیکن کیا مقبول بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بات کو معلوم کرنے کے لئے علمائے کرام نے چند علامتیں لکھی ہیں:

پہلی علامت: جو حدیث شریف میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا حج قبول ہو جاتا ہے ان کی کنکریاں اٹھالی جاتی ہیں اور جو کنکریاں پڑی رہ جاتی ہیں یہ ان لوگوں کی ہوتی ہیں جن کا حج مقبول نہیں ہوتا؛ اسی وجہ سے علماء نے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ وہاں کی کنکریاں اٹھا کر رمی نہ کی جائے کیوں کہ یہ ان لوگوں کی کنکریاں ہوتی ہیں جن کا حج مقبول نہیں ہوتا۔

دوسری علامت: یہ ہے کہ حج سے واپس آنے کے بعد آدمی کے اعمال میں بہتری پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ نیکی کے فوراً قبول ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد آدمی کو دوسری

نیکی کی توفیق مل جاتی ہے۔اس لئے ہر آدمی کو اس بات کا محاسبہ کرنا چاہیے کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی میں پہلے وہ جتنا اہتمام کرتا تھا اب اس سے زیادہ کرنے لگا ہے یا نہیں؟ گناہوں سے بچنے کی پہلی جتنی کوشش کرتا تھا،اب اس سے زیادہ کرنے لگا ہے یا نہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا حج اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو چکا ہے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ وہاں کی محبت اور عقیدت اس قدر دل میں رچ بس جائے کہ گویا آدمی اپنا دل ہی وہاں چھوڑ کر آجائے اور بار بار وہاں جانے کا شوق اس کے دل کے آنگن میں انگڑائیاں لینا شروع کر دے۔

اس میں شک نہیں کہ آدمی جب حج پر جاتا ہے تو اس کے ماحول کے نورانی اثرات وبرکات اس پر لازمی پڑتے ہیں۔اس لئے آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر دیکھے کہ وہاں کے ماحول کے نورانی اثرات ابھی تک اس پر موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو ان کے ماند پڑ جانے سے پہلے ان کی حفاظت کرے۔

اس دور کا سب سے بڑا المیہ ہے کہ کسی بھی فرض کی ادائیگی کے لئے خشوع وخضوع،انابت الی اللہ،تقویٰ وبندگی اور رجوعِ الٰہی کی صفات حسنہ سے دور رَہ کر محض ارکان کی ادائیگی پر ہمارا زیادہ تر انحصار اور مدار رہ گیا ہے، ریا نے خلوص کی جگہ پر قبضہ کرلیا،نفاق جڑ پکڑ گیا،خوف وخشیت کو ہم نے سلام کرلیا،نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی عبادات پر عُجب،غرور،تکبر اور دکھاوا جیسی بری صفات غالب آگئیں،ایک آدمی زندگی بھر نماز پڑھتا رہے پھر بھی اس کو ''نمازی'' کہہ کر نہیں پکارا جاتا،ایک آدمی تاحیات روزہ رکھتا رہے پھر بھی اس کو ''روزہ دار'' نہیں کہا جاتا،ایک شخص ہمیشہ زکوۃ ادا کرتا ہے مگر اسے بھی ''زکوتی'' نہیں کہا جاتا لیکن اگر کوئی شخص صرف ایک بار حج کرلے تو وہ اپنے نام کے ساتھ ''الحاج''،''زائرحرم'' اور ''حاجی'' جیسے القاب لگانا ضروری سمجھتا ہے؛ حالانکہ شریعت میں حج سے زیادہ نماز کی تاکید اور اس کو ادا نہ کرنے پر سخت ترین وعیدیں سنائی گئی ہیں،لیکن لوگوں نے اپنے قول وعمل سے حج ہی کو اشرف العبادات بنا دیا ہے؟ فیا للعجب!

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ وعظ وتقریر کے لیے کسی گاؤں میں تشریف لے گئے،وہاں پہنچنے کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا،لوگ عقیدت واحترام کے ساتھ ملتے، بیٹھتے،رخصت ہوجاتے،اسی دوران گاؤں کے بڑے چودھری صاحب تشریف لائے،سلام کیا،مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور اپنے تعارف میں فرمایا میں ہوں حاجی فلاں! حضرت نے بھی مصافحہ کیا اور فرمایا میں ہوں نمازی اشرف علی، چودھری صاحب اس تعارف پر حیران رہ گئے،فرمایا: اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے، جب آپ ایک مرتبہ حج کرکے حاجی کہلا سکتے ہیں تو میں روزانہ پانچ وقت نماز پڑھ کر نمازی کیوں نہیں کہلا سکتا؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ نے فضائل حج میں یہ واقعہ نقل فرمایا ہے کہ ایک بزرگ کی خدمت میں ایک حاجی صاحب حاضر ہوئے، انہوں نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ عرض کیا ''حج سے واپس آرہا ہوں'' پوچھا حج کرچکے؟ عرض کیا ''کرچکا'' فرمایا جس وقت گھر سے روانہ ہوئے اور عزیزوں سے جدا ہوئے تھے، اپنے تمام گناہوں سے بھی مفارقت کی نیت کرلی تھی؟ کہا ''نہیں یہ تو نہیں کیا تھا'' فرمایا بس پھر تم سفرحج پر روانہ ہی نہیں ہوئے پھر فرمایا کہ راہِ حق میں جوں جوں تمہارا جسم منزلیں طے کررہا تھا تمہارا قلب بھی قرب حق کی منازل طے کرنے میں مصروف تھا؟ جواب دیا کہ ''یہ تو نہیں ہوا'' ارشاد ہوا کہ پھر تم نے سفرحج کی منزلیں طے ہی نہیں کیں، پھر پوچھا کہ جس وقت احرام کے لئے اپنے جسم کو کپڑوں سے خالی کیا تھا اس وقت اپنے نفس سے بھی صفات بشریہ کا لباس اتارا تھا؟ کہا ''نہیں! یہ تو نہیں ہوا تھا'' ارشاد ہوا پھر تم نے احرام ہی نہیں باندھا، پھر پوچھا عرفات میں وقوف کیا تو کچھ معرفت بھی حاصل ہوئی؟ کہا ''نہیں! یہ تو نہیں ہوا'' ارشاد ہوا پھر عرفات میں وقوف ہی نہیں کیا پھر پوچھا کہ جب مزدلفہ میں اپنی مراد کو پہنچ چکے تو اپنی ہر مراد نفسانی کے ترک کا بھی عہد کیا تھا؟ کہا ''نہیں! یہ تو نہیں کیا تھا'' ارشاد ہوا کہ پھر طواف ہی نہیں ہوا، پھر جب پوچھا کہ صفا ومروہ کے درمیان سعی کی تو مقام صفا اور درجۂ مروہ کا بھی کچھ ادراک ہوا تھا؟ کہا ''نہیں! یہ تو نہیں ہوا'' ارشاد ہوا کہ پھر تم نے سعی بھی نہ کی، پھر پوچھا کہ جب منیٰ آئے تو اپنی ساری آرزؤں کو تم نے فنا کیا؟ کہا ''نہیں! یہ تو نہیں کیا تھا'' ارشاد ہوا کہ پھر تمہارا منیٰ جانا لاحاصل رہا، پھر پوچھا کہ قربانی کے وقت اپنے نفس کی گردن پر بھی چھری چلائی تھی؟ کہا ''نہیں! یہ تو نہیں کیا تھا'' ارشاد ہوا کہ پھر تم نے قربانی ہی نہیں کی، پھر پوچھا کہ جب کنکریاں ماری تھیں تو اپنے جہل ونفسانیت پر بھی ماری تھیں؟ کہا ''نہیں! یہ تو نہیں کیا تھا'' ارشاد ہوا کہ پھر تم نے رمی بھی نہ کی اور اس ساری گفتگو کے بعد آخر میں فرمایا کہ تمہارا حج کرنا نہ کرنا برابر رہا اب پھر جاؤ! اور صحیح طریقہ پر حج کرو''۔

الحاصل: حج کا اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی کے دل کے اندر اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کا خوف پیدا ہو؛ لیکن جب آدمی حج کے بعد دوبارہ اپنے معاشرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لئے گناہوں سے بچنا اتنا آسان نہیں ہوتا، جتنا عموماً سمجھ لیا جاتا ہے؛ لہٰذا ہر ایک شخص کو چاہیے کہ وہ قدم قدم پر اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے آپ کو اس گندے معاشرے کی نحوست سے اپنے آپ کو حتی الامکان بچانے کی کوشش اور فکر میں لگا رہے۔ اسی مضمون کو اقبال مرحوم نے صرف ایک شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

زائرین کعبہ سے اقبال یہ پوچھے کوئی!
کیا حرم کا تحفہ زمزم کے سوا کچھ بھی نہیں

اصلاحی مضامین

اگر اب بھی نہ جاگے تو۔۔۔۔۔

ملت اسلامیہ تاریخ کے نازک موڑ پر

از: محمد الیاس بھٹکلی ندوی*

ہوش اڑا دینے والے واقعات:

۱) آج یوم عرفہ ہے اور کل انشاء اللہ عید الاضحیٰ کا دن، ظاہر بات ہے کہ عید کی شادمانی اور گھر والوں کے ساتھ پرُسکون ماحول میں عید منانے اور قربانی کے تصور ہی سے اس عظیم نعمت کے حصول پر اللہ رب العزت کا پیشگی شکر ادا کرتے ہوئے جسم کارواں رواں سجدہ ریزہ ہو رہا ہے، لیکن فجر بعد کچھ دیر آرام کے بعد جب آنکھ کھلتی ہے تو برادرِ گرامی مولانا شمس الدین صاحب بجلی قاسمی (جنرل سکریٹری جمعیت العلماء کرناٹک) کے ایک فون سے ہوش اڑا دینے والے ایک واقعہ کو سن کر یہ سب خوشی کافور ہو جاتی ہے، مولانا بڑے درد سے بتا رہے تھے کہ میں دو ہفتہ قبل دہلی میں جمعیت کی میٹنگ میں حاضر تھا جس میں ملت کے صاحب بصیرت علماء ودانشوران بالخصوص مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی دامت برکاتھم، حضرت مولانا قاری عثمان صاحب دامت برکاتھم، حضرت مولانا محمود مدنی صاحب دامت برکاتھم اور حضرت مولانا سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم وغیرھم موجود تھے، وہاں پر دورانِ میٹنگ یہ روح فرسا خبر سننے کو ملی کہ پچھلے ایک سال میں صرف دہلی وآس پاس میں پانچ سو سے زائد مسلم بچیاں غیر مسلموں کے ساتھ بیاہ کر کے اپنے گھروں سے نکل گئیں، بالفاظ دیگر انھوں نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اپنے دین کو بھی الوداع کہہ دیا۔

۲) اسی سال عید الفطر کے معاً بعد جموں وکشمیر کے دعوتی سفر کے دوران بھی کچھ اس طرح کی دل دہلا دینے والی خبر صدیق مکرم مولانا شکیل صاحب ندوی نے سنا کر مغموم کر دیا کہ ملک کے مختلف شہروں کی یونیورسٹیوں وکالجس میں زیر تعلیم اور وہاں کے ہوسٹلس میں مقیم ان کے صوبہ کی آٹھ مسلم بچیاں گذشتہ چند ماہ میں اسلام سے دستبرداری کا اعلان کر کے دوسرے مذہب والے اپنے دوستوں کے گھروں کی دلہنیں بن چکی ہیں۔

۳) گذشتہ رمضان المبارک سے قبل شعبان میں کوکن میں جامعہ حسینیہ سری وردھن کے سالانہ جلسہ میں

*استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل

شرکت سے واپس ہوتے ہوئے ایک جگہ ساحلی خطہ میں طالبات کے تقسیمِ انعامات کے پروگرام میں حاضری کے دوران ہمارے دوست مولوی عبدالمطلب صاحب مروڑ جنجیرہ نے یہ ہوش اڑا دینے والی خبرِ صاعقہ اثر سنائی کہ چند ماہ قبل قریب کی بستی میں دو مسلم طالبات نے اسلام کو خیر باد کہہ کر ارتداد کی ظلمتوں میں قدم رکھا، دل دہلا دینے والی اور نیند اڑا دینے والی یہ خبر کیا کم تھی کہ گھر واپسی پر اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ہمارے قریبی ضلع میں ایک مسلم طالب علم بھی اسلام جیسی عظیم نعمت کو ٹھکرا کر مرتد ہو گیا۔

۴) ایک سال قبل ہی پورے ملک میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی طرف سے ملک گیر سطح پر طلاق اور آئینی قوانین کے حق میں دستخطی مہم چلائی گئی، اس کے الحمدللہ دیرپا اور مثبت نتائج سامنے آئے، ملت کی صاحب بصیرت دینی قیادت بالخصوص حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا ولی رحمانی صاحب دامت برکاتھم کی سرپرستی میں چلنے والی اس مہم نے ہمارے مسلم معاشرہ میں دینی بیداری میں اہم رول ادا کیا اور سائرہ بانو کے طلاق کے خلاف پچاس ہزار مسلم خواتین کے دستخطوں کے دعوے کے مقابلہ میں چار کروڑ سے زائد حقیقی دستخطی دستاویزات بورڈ کے دہلی آفس میں جمع ہوئے، لیکن دوسری طرف اس مہم کے دوران مسلم معاشرہ کے بعض منفی پہلو بھی سامنے آئے، مثلاً اندازہ ہوا کہ پچاس ہزار نہ سہی دو چار ہزار مسلم خواتین اب بھی ہمارے درمیان ایسی موجود ہیں جن کے دلوں میں اسلام کے ان فطری اور عقلی قوانین کے متعلق شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں، ہمارے محترم دوست مولانا شبیر صاحب ندوی بنگلور نے انہیں دنوں یہ ہوش ربا خبر سنائی کہ شہر میں دعوتی میدان میں نمایاں خدمت انجام دینے والے ایک صاحب کی اہلیہ حسنِ اتفاق سے جو تعلیم یافتہ اور دعوتی کاموں میں ان کی دست راست بھی ہے اس نے بورڈ کی طرف سے پیش کیے گئے دستخطی کاغذات پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ مجھے اسلام میں مردوں کو دیے گئے طلاق کے حق کے متعلق اطمینان نہیں اور میرا دل اس سلسلہ میں مطمئن نہیں۔

۵) دو سال پہلے کی بات ہے، جامعہ میں ہمارے استاذ محترم مولانا ناصر صاحب اکرمی نے مجھے ایک مسلم تعلیم یافتہ خاتون کا ــــ جس کا دیندار گھرانہ سے تعلق ہے ــــ ایک ایسا مضمون دکھایا جس میں اس نے صاف لکھا تھا کہ بلوغ سے پہلے مسلم بچیوں کو اسکارف نہیں پہنانا چاہیے، اس کے بہت سے طبی نقصانات ہیں اور خواتین کو بلوغ کے بعد بھی پردہ کے سلسلہ میں جبر واکراہ سے کام نہیں لینا چاہیے، یہ ان کی فطری آزادی میں دخل دینے کے مترادف ہے اور کچھ ہی دنوں کے بعد اس نے ایک اخباری بیان بھی جاری کیا کہ مردوں کے لیے طلاق کے حق کے سلسلہ میں علماء کو دوبارہ غور کرنا چاہیے۔

ان واقعات کے محرکات

آپ ان پانچوں واقعات کا دعوتی تجزیہ کیجیے تو ان سب کا الگ الگ محرّک وسبب سامنے آئے گا، پہلے تین واقعات میں ان طالبات کے دلوں میں اسلام جیسی عظیم نعمت کی اہمیت اور شرک وکفر کی غلاظتوں وقباحتوں کا عدم احساس، دوسرے واقعہ میں اسلام کے ظاہری مظاہر سے آراستہ ہونے اور دعوتی میدان میں اپنی خدمات کے باوجود اسلامی قوانین کی برتری پر اس مسلم خاتون کا عدم اطمینان، تیسرے واقعہ میں اسلامی دانشوری اور روشن خیالی کے پردہ میں مسلم خاتون کی طرف سے اسلام کی غلط ترجمانی، ان سب نتائج کو اگر صرف ایک مختصر جملہ میں ادا کیا جاسکتا ہے تو اس کو ہم "نئی نسل میں اسلام کے تئیں اعتماد کی بڑھتی کمی" سے تعبیر کرسکتے ہیں جو بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ امت کا اس وقت کا سب سے اہم ترین اور توجہ طلب مسئلہ ہے، گذشتہ سو سالوں میں امت کے اس فکری المیہ اور تہذیبی ارتداد کی حساسیت کا سب سے زیادہ احساس پورے عالم اسلام میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی کو تھا، آپ کی پوری زندگی اخیر تک ذہنی ارتداد کی اسی سنگینی کے تعلق سے امت کو بیدار کرنے میں گذری، آپ کی اسی فکرمندی اور ملت کے لیے آپ کی اسی تڑپ وکڑھن نے آپ کو مفکر اسلام کے خطاب سے موسوم کیا تھا۔

افسوس کہ نہ صرف عالمی سطح پر بلکہ ملکی سطح پر بھی ہماری امت اور خود اس کی دینی قیادت کی اکثریت بھی اس المیہ کی نزاکت کو سمجھ کر اس پر توجہ دینے سے غفلت برت رہی ہے اور اس کے نتیجے تیزی سے سامنے آرہے ہیں اور ہر دن ہماری نئی نسل میں اسلام پر اعتماد کی کمی کے ہوش ربا واقعات ہمارے سامنے آرہے ہیں، ملت کے تعلیمی سماجی، اصلاحی اور دیگر مسائل پر مشرق سے مغرب تک بیٹھکیں ہورہی ہیں مشورے اور سمینار منعقد ہورہے ہیں، لیکن اس اہم ترین اور نازک ترین المیہ پر فکرمندی کے ساتھ عالمی یا ملکی سطح پر کوئی سنجیدہ بیٹھک نہ ہونے کے برابر ہے، مسئلہ اتنا سنگین ہے کہ کچھ دنوں تک امت کے تمام مسائل کو کنارے رکھ دیا جائے اور صرف اس مسئلہ پر پوری امت سر جوڑ کر بیٹھے، تب بھی فوری اس کا حل آسان نہیں، جو ذہنی ارتداد اور فکری الحاد سامنے آرہا ہے وہ درحقیقت ہمارے معاشرہ میں موجود حقیقی ارتداد والحاد کے واقعات کے دس فیصد مظاہر بھی نہیں ہیں، ورنہ ۹۰ / فیصد واقعات وحقائق پر اللہ تعالیٰ نے اب بھی اپنے کرم سے پردہ ڈال رکھا ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری بداعمالیوں کی وجہ سے خدانخواستہ کسی دن اگر اللہ تعالیٰ اس کا پردہ فاش فرمادیں گے تو خود اپنے گاؤں اور خاندانوں میں اس بھیانک کردار کے حامل افراد کے متعلق جان کر اور سن کر ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے، پیروں تلے زمین کھسک جائے گی، ہم خون کے آنسو رونے پر مجبور ہوجائیں گے اور گھر واپسی ہم کو آگرہ اور مظفرنگر کے بجائے خود اپنے آس پاس نظر آئے گی۔

آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

ظاہری دینی مظاہر میں اضافہ اور اخلاقی ترقی کے باوجود اندرون میں نئی نسل میں اسلام پر روز کم ہوتی اعتماد کی اس کمی کے مختلف اسباب ومحرکات ہیں، اس کا بنیادی سبب بچپن سے اپنی اولاد کو بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے میں والدین وسرپرستوں کی کوتاہی ہے، اسی کے ساتھ برِصغیر میں مغرب سے درآمد نئے نظام ونصابِ تعلیم اور موجودہ سوشل میڈیا کے عمل دخل نے ان کو اسلام سے عملی ہی نہیں بلکہ فکری طور پر دور کرنے میں جلتی پر تیل کا کام کیا ہے۔

اس وقت ہماری امت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم سے آراستہ کرنے کے جنون اور اس کے لیے معیاری اسکولوں اور کالجس کے انتخاب نے سرپرستوں میں ایمان وشرک، حلال وحرام اور جائز وناجائز کے فرق کو مٹا دیا ہے، نصابی ضروریات اور ثقافتی پروگراموں کے نام سے اپنی اولاد کو ایمان سوز حرکتوں سے روکنے پر بھی ان کا کمزور ایمان آج کامیاب نہیں ہو رہا ہے، مخلوط تعلیم سے کل تک حیاسوز واقعات سامنے آرہے تھے، افسوس اب ایمان سوز واقعات کا ہمیں سامنا کرنا پڑ رہا ہے، کل تک کالجس اور یونیورسٹیوں میں محبت کی شادیوں کے واقعات نے ۹۰ فیصد غیر مسلم طلباء کو اسلام لانے پر مجبور کردیا تھا، لیکن اب ہم روز اس کا مشاہدہ کررہے ہیں کہ اب دوتہائی ہمارے بچے اور بچیاں صرف ان ہی شادیوں کی خاطر اپنے ایمان واسلام کو چھوڑنے میں بھی عار محسوس نہیں کررہے ہیں اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ خود ان کے والدین بھی اس شرک عظیم کی ان قباحتوں کو سمجھنے سے عاجز وغافل ہیں، تجدّد وروشن خیالی اور نام نہاد دانشوری دینی تعلیم سے اپنے بچوں کو آراستہ کرنے میں رکاوٹ بن رہی ہے اور اس کو والدین اپنی اولاد کے مفروضہ روشن وتابناک مستقبل کے لیے عار سمجھ رہے ہیں، دینی مدارس کا ان کے نونہالوں کا رخ کرنا تو دور کی بات خود ہمارے مسلم تعلیمی اداروں کے بعض ذمہ داران بھی اسلامی ماحول میں عصری تعلیم کے نظم میں ہچکچاہٹ محسوس کررہے ہیں، اس خوف سے کہ کہیں ان پر شدت پسندی اور بنیاد پرستی کا لیبل نہ لگے، ہمارے تعلیمی مراکز میں بھی وہ سب غیر اسلامی اور غیر ایمانی حرکات وثقافتی سرگرمیاں انجام پارہی ہیں جن کے ارتکاب سے شریف غیر مسلم ذمہ دارانِ اسکولس وکالجس بھی اس گئے گذرے دور میں باز رہتے ہیں۔ فإلی اللّٰہ المشتکیٰ

اس کے تدارک کے لیے ہمیں کیا کرنا ہے:

اس نازک مسئلہ اور ہوش اڑا دینے والے المیہ کا یقینی حل تو یہ ہے کہ امت کے ہر گھر بلکہ ہر باپ کی اولاد میں ایک عالمِ دین ضرور ہو جو اپنے بھائی بہنوں اور گھر والوں کو ان میں سرایت کرتی غیر محسوس گمراہی سے

روک سکے، حلال وحرام کی نشاندہی کر سکے، دین کے معاملات میں ان کی رہبری کر سکے اور اپنے پورے گھرانے اور خاندان کو ایمان وتوحید پر باقی رکھنے کی فکر کر سکے، لیکن خود ہمارے ملک اور برصغیر میں بھی عملاً ایسا نہیں ہے، ہر خاندان میں ایک عالم سے اب بھی ۹۰ فیصد خاندان خالی ہیں اور بظاہر مستقبل میں شاید اس کا امکان بھی نہیں ہے۔

آج بھی جب کہ عالمی سطح پر دینی واسلامی بیداری کی لہر کا ہر جگہ چرچا ہے کچھ علاقوں کو مستثنیٰ کر کے ہمارے دینی مدارس کے طلبا وطالبات میں خوش حال گھرانوں کی نمائندگی بہت ہی کم ہے، محل نما گھروں میں رہنے والوں، کروڑوں کے قیمت والے، فلیٹوں میں زندگی بسر کرنے والوں، شام کو پارکوں اور مالس میں سیر سپاٹا کرنے والوں، دوستوں اور سہیلیوں کے ساتھ رات کو دیر تک باہر رہنے والوں اور ریستورانوں میں رات کا کھانا (ڈِنر) کھانے کی عادت والوں کے لیے ہمارے مدارس کا دینی ضابطہ کا ماحول راست نہیں آ سکتا اور آئندہ بھی ان سے دینی مدارس کا رخ کرنے کی امید نہیں کی جاسکتی، ایک طرف گاؤں اور شہروں کا یہ حال ہے تو دوسری طرف اپنے گھروں سے دور بڑے بڑے شہروں میں تعلیم کے لیے قیام پذیر ہمارے نونہالان ڈگریوں کے حصول کے معاً بعد اچھی کمپنیوں سے منسلک ہو جاتے ہیں، پھر وہاں کا مخلوط ماحول ان کی رہی سہی اخلاقی حالت کی کسر کو بھی پورا کر دیتا ہے۔

اب آپ ہی بتائیے کہ ہماری ان نوخیز نسلوں کو اخلاق سوز وایمان سوز حرکتوں سے باز رکھنے کی خاطر بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے کہاں موقع رہ جاتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود ہم مایوس نہیں، اسلام میں ناامیدی ومایوسی کفر ہے، اللہ پاک کی کمال قدرت کا یہ عالم ہے کہ وہ سیکنڈوں سے بھی کم وقت میں دلوں کے حالات تبدیل کر دیتے ہیں، ان گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھی الحمدللہ ہمیں امید کی کرن نظر آ رہی ہے، ابھی پانی سر سے اونچا نہیں ہوا ہے، اب بھی اس سیلاب پر بند باندھا جا سکتا ہے اور اس کو روکنے میں اللہ کی مدد سے کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس مسئلہ کی نزاکت کا ہمیں اندازہ ہو اور ہم صرف خیالی جزیروں میں پناہ لے کر یا ساحل کے خاموش تماشائی بن کر نہ بیٹھ جائیں۔

۱) سب سے پہلے والدین اور سرپرستوں میں اس حساّس مسئلہ اور ایمانی المیہ کے تئیں بیداری پیدا کی جائے کہ غیر محسوس طریقہ پر ہماری نئی نسل کس طرح اسلام سے دور ہو کر شرک وکفر کی دلدل میں پھنستی جا رہی ہے، جمعہ کے خطبات اور جلسوں سے زیادہ اب سوشل میڈیا سے بھی ہمیں اس سلسلے میں فائدہ اٹھانا چاہیے، اس طرح کے ہوش ربا واقعات کی چھوٹی چھوٹی کلپ بنا کر واٹس ایپ میں عام کی جائے اور اس پر مختصر تجزیاتی دعوتی گفتگو

کے ذریعہ مثبت انداز میں حکمت کے ساتھ اس کو روکنے کی ممکنہ عملی کوششوں سے والدین وسرپرستوں کو آگاہ کیا جائے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں ان کو بتایا جائے کہ ''شرک وکفر صرف مندروں میں جا کر گھنٹی بجانے اور بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا نام نہیں بلکہ نماز روزوں کے ساتھ اسلام کے ابدی قوانین پر ہلکے سے شک وشبہ سے بھی صاحب ایمان ایمان سے نکل کر شرک میں مبتلا ہوجاتا ہے''۔

۲) آن لائن دینی تعلیم کے جو کامیاب نظام سوشل میڈیا کے ذریعے چل رہے ہیں گھر بیٹھے ان سے اپنے بچوں کو منسلک کریں تاکہ روزانہ آدھ یا پون گھنٹہ ہی سہی وہ گھر بیٹھے قرآنی ودینی تعلیم حاصل کریں۔

۳) بابری مسجد کی شہادت کے بعد ہمارے ملک میں مسلمانوں میں تعلیمی بیداری میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے، تقریباً ہر شہر میں مسلمان اپنے تعلیمی اداروں کے قیام میں خود کفیل ہوگئے ہیں اور اچھے معیاری مسلم اسکولس بنیادی دینی تعلیم کے ساتھ قائم ہوگئے ہیں، والدین طے کریں کہ کم ازکم بارہویں تک ہر حال میں مجھے میری اولاد کو مسلم اور ملّی اسکولوں ہی میں پڑھانا ہے، چاہے اس کے لیے ایمان واخلاق کی بقا کی فکر میں کچھ قربانی دینی پڑے۔

۴) ہمارا کوئی مسلم محلہ جز وقتی مکاتب سے خالی نہ ہو، گاؤں اور شہروں میں قائم شبینہ وصباحی مکاتب میں صرف ناظرہ قرآن پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ ہفتہ میں کم ازکم دو تین دن ایمانیات اور فقہ اسلامی وسیرت نبوی کے اسباق کا بھی نظم کیا جائے اور طلبا کی نفسیات وضروریات کے مطابق ملک بھر میں اس سلسلہ میں جو نصابی کتابیں اسلامیات ودینیات کی تیار ہوئی ہیں ان سے مدد لی جائے۔(اس سلسلہ میں فارغین جامعہ کے ذریعہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل نے بھی نرسری سے لے کر کالج تک کے طلبا کے لیے پندرہ جلدوں میں اسلامیات کے نام سے ایک جامع نصاب مرتب کیا ہے جو دس دینی مضامین پر مشتمل ہے اور گذشتہ پندرہ سالوں سے الحمدللہ ملک وبیرون ملک کے تین ہزار سے زائد اسکولوں وکالجس میں داخل نصاب ہے، یہ نصاب عربی، اردو، انگریزی ہندی، فارسی، پشتو، آسامی، نیپالی، تامل، بنگالی اور کنڑ زبانوں میں دستیاب ہے، اس سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔)

۵) مسلم اسکولوں کے ذمہ داران بھی کم ازکم روزانہ ایک گھنٹہ اپنے تعلیمی اداروں میں ناظرہ قرآن کے علاوہ عقائد، سیرت اور فقہ وغیرہ کے لیے خاص رکھیں، چاہے اس کے لیے اپنے موجودہ نظام تعلیم کے اوقات میں شروع یا اخیر میں ایک آدھ گھنٹے کا اضافہ کرنا پڑے، جیسا کہ کیرلا اور گجرات کے اکثر مسلم اسکولوں میں اس پر توجہ دی گئی ہے۔

۶) مسلم کالجس اور ہائی اسکولوں میں ہفتہ میں کم از کم ایک گھنٹہ کے لیے جمعرات یا سنیچر کو علماء کے محاضرات رکھے جائیں جس میں اسلام وایمان کی جزئیات اورعقائد کی باریکیوں اورحلال وحرام کی تفصیلات کے ساتھ اسلام کی برتری اوراس کے قوانین کے منطقی وعقلی ہونے پر طلبا سے خطاب کیا جائے۔

۷) جوطلبا اپنے گھروں سے دور مختلف شہروں میں زیر تعلیم ہیں مسلم اداروں کی طرف سے ان شہروں میں ہوسٹلوں کا خود نظام کیا جائے تاکہ ان کو اپنے پاس اپنی نگرانی میں رکھ کر اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم کرنے کے ساتھ ان کی اخلاقی ودینی تربیت کی جاسکے اس کے لیے ان ہوسٹلوں میں نماز با جماعت کے اہتمام کے ساتھ روزانہ ایک گھنٹے کے دروس کے ساتھ ان کی ذہن سازی کا بھی کام کیا جائے، یاد رہے کہ عیسائی مشنریوں اور قادیانیوں کی طرف سے گذشتہ کئی سالوں سے خاموشی سے مسلم طلبا کو دین سے دور کرنے کی غرض سے پورے ملک میں اس کا جال پھیلایا جارہا ہے۔

۸) شہروں میں پہلے سے قائم اس طرح کے مسلم ہاسٹلوں یا اقامت گاہوں کے ذمہ داران سے اجازت لے کر ہفتہ میں دو تین دن عشاء بعد یا کسی اور مناسب وقت میں ان کی دینی تعلیم کا نظم کیا جائے اوراس کے لیے اچھے معیاری علماء وعالمات کا انتخاب کیا جائے جو ان نوجوانوں وبچیوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر ان کی دینی تربیت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

۹) اگر مسلم اسکولوں یا کالجس کے ذمہ داران اپنی سیکولر امیج کی بقا کی فکر میں اپنے یہاں زیر تعلیم طلبا کی دینی تعلیم کے لیے نظم کرنے اوراس کے لیے علماء کے تقرر پر آمادہ نہ ہوں تو ان سے کہا جائے کہ ہمارا ادارہ اپنے خرچ پر دینی تعلیم کے معلمین آپ کو فراہم کرنے کے لیے تیار ہے، آپ صرف اس کے لیے اسکول شروع ہونے سے پہلے ہمیں آدھے گھنٹہ کا وقت دیں اور بچوں کو صبح میں صرف آدھ گھنٹہ جلدی لانے کا نظم کریں، ملک کے مختلف مسلم اداروں کی طرف سے تنخواہیں دے کر دوسرے مسلم اسکولوں میں اسلامیات کے معلمین فراہم کرنے کا کامیاب تجربہ الحمدللہ ملک کے مختلف شہروں کوکن، اورنگ آباد، حیدرآباد وغیرہ میں ہورہا ہے، اب اس تجربہ کو دوسرے شہروں تک وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۰) سول سروس میں مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے جو ادارے مثلاً جے پور کی کریسنٹ اکیڈمی، دہلی کی ہمدرد یونیورسٹی یا ممبئی کا حج ہاؤس وغیرہ سینکڑوں مسلم طلبا کو کامیاب تربیت دے رہے ہیں وہاں زیرِ تعلیم طلبا کی دینی ذہن سازی کا کام وہاں کے مقامی علماء یا دینی اداروں کی طرف سے ابھی سے کیا جائے تاکہ مستقبل قریب میں ملک میں بڑے سرکاری مناصب پر فائز ہونے کے بعد بھی ان کی دینی شناخت باقی رہ سکے اوروہ ملک کی

انتظامیہ میں بھی پہنچ کر اسلام کی صحیح ترجمانی کا فریضہ انجام دے سکیں۔

۱۱) مشنری، غیر اسلامی اور سرکاری اسکولوں میں زیرِ تعلیم طلبا کے لیے سنڈے کلاس کا اچھے پیمانے پر خود ہمارے دینی مدارس میں نظم کیا جائے اس کا ہم نے سنگاپور کے اپنے گذشتہ سفر میں مشاہدہ کیا، الحمدللہ یہ بڑا کامیاب تجربہ ہے، یونیفارم کے ساتھ اتوار کے دن تین گھنٹے کے یہ کلاس ہوتے ہیں جو بڑے کامیاب ہیں اور امتحانات کے بعد ان کو ترغیبی انعامات گولڈ میڈل وسلور میڈل وغیرہ کی شکل میں دیئے جاتے ہیں۔

۱۲) اسکولوں وکالجس کی سالانہ چھٹیوں میں مختصر مدتی ہفت روزہ، پندرہ روزہ دینی کورس کا نظم خود ہمارے علماء یا ذمہ داران خود اپنے مدارس کی چہار دیواری میں یا شہروں میں اچھی اور پُر کشش جگہوں میں کریں، اگر ممکن ہو تو مدارس میں قیام کروا کر ان بچوں کی دینی تربیت بھی کی جائے، اس دوران ان کی دلچسپی وترغیب کے لیے کھیل کود کے مقابلے بھی رکھے جائیں اور کیمپ کے اختتام پر ان کو ایک آدھ دن کے لیے شہر سے دور تفریح کے لیے لے جا کر اس دوران ان پر ہونے والی تربیتی وتعلیمی محنت کا جائزہ بھی لیا جائے۔

سب سے آسان اور فوری قابل عمل نسخہ:

اسلام پر بڑھتی اعتماد کی کمی میں اب ہمارے ملک میں صرف خوش حال گھرانوں کے بچے اور بچیاں نہیں رہ گئے ہیں، اعلیٰ تعلیم کے شوق میں اسکالرشپ یا دوسروں کی مدد سے تعلیم حاصل کرنے والے درمیانی یا غریب گھرانوں کی اولاد کا بھی حال کچھ کم قابلِ تشویش نہیں ہے، تعلیم سے فراغت کے بعد شادی سے پہلے ملازمت کے نہ ملنے پر گھروں میں بے کار بیٹھے رہنا ان کے لیے گوارا ہے، لیکن ایک سالہ عالمیت کے مختصر مدتی کورس میں داخلہ لینا ان کے لیے سببِ عار ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے زعم میں وہ اس کو اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں، اب ایسے بچوں اور بچیوں کو ہم جبر واکراہ سے دینی مدارس میں داخل نہیں کر سکتے، والدین اگر ذہناً بھی تیار ہو جائیں تو بچے آمادہ نہیں، اگر بچوں کو شوق ہو جائے تو والدین وسرپرست ان مدارس میں اپنے نونہالوں کو بھیجنا اپنی شان کے منافی سمجھ کر ان کو روک دیتے ہیں، ان سب محرکات کے تناظر میں ایک کامیاب، آسان اور عملی شکل جو ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ان کو اس کے لیے ایک سالہ یا دو سالہ عالمیت کورس کے نام سے دعوت نہ دی جائے، بلکہ صرف یہ کہا جائے کہ صرف ایک ہفتہ یا پندرہ دن یا ایک ماہ کا کورس ہے، وہ بھی صرف روزانہ ایک گھنٹہ کے لیے، ہفتہ میں اتوار کو چھوڑ کر صرف چھ دن، اس کو آپ اپنی جاری تعلیم یا ملازمت یا گھریلو یا خانگی مشغولیات کے ساتھ بھی پورا کر سکتے ہیں، مثلاً آپ کالج یا یونیورسٹی یا کمپنی کی ملازمت سے شام کو پانچ بجے فارغ ہوتے ہیں تو چھ بجے تک گھر پہنچ کر گھریلو ضروریات سے فارغ ہو کر ۶ سے ۷ یا ۷ سے ۸ یا ۸ سے ۹ کا وقت دیں، ایک ہفتہ کے اس

دینی کورس میں آپ کا جی لگے تو پندرہ دن کا کریں، پندرہ دن تک پسند آئے تو پھر ایک ماہ، اسی طرح سہ ماہی اورششماہی قرآنی ودینی نصاب مکمل کریں، کالجس میں زیر تعلیم یا وہاں سے فارغ طالبات یا طلبا جب اس پرُکشش قرآنی ودینی نظام میں شرکت پر آمادہ ہوجائیں تو ذمہ داران اور معلمین ومعلمات کو یہ سمجھ لینا ہے کہ پہلے ہفتہ ان کوصرف سورہ فاتحہ کے ساتھ چھ سورتیں اور نماز کے پورے اذکار زبانی یاد کرانے ہیں اس کے ساتھ ایک صفحہ ناظرہ قرآن درست کرانا ہے، روزانہ پانچ مسائل بتانے ہیں، ایمانیات پر روزانہ دس منٹ بات کرنی ہے جس میں شرک وکفر کی جزئیات کو بیان کرنے کے ساتھ اللہ تعالی کی قدرتوں، کمالات واختیارات اور بے پناہ تصرفات کے مالک ہونے کو بیان کرنا ہے، پانچ منٹ سیرت نبوی کی اہم باتیں خلاصہ کے طور پر بیان کرنی ہیں اسی طرح روزانہ ان کوایک سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دینی ہے مثلاً پہلے دن باوضو رہنے، دوسرے دن اول وقت میں نماز پڑھنے، تیسرے دن رات کوسورہ معوذتین پڑھ کرسونے وغیرہ کی فضیلت کی روزانہ ایک سنت پر عمل کی ان کوترغیب دینی ہے اور ہر دوسرے دن اس کا جائزہ بھی لینا ہے، اس پورے پس منظر میں ضروری ہے کہ ان بچوں اور بچیوں کے مزاج اور نفسیات کوسامنے رکھتے ہوئے ان کوگھر کے ماحول کی طرح اس تعلیم کے دوران پرُکشش ماحول فراہم کیا جائے تاکہ ان کووحشت نہ ہو، ذاتی یا کرایہ کی جس عمارت میں بھی اس جزوقتی مدرسہ کانظم ہو وہ دلکش ہو، صفائی ستھرائی کا خیال رکھا جائے، اچھے علاقہ میں اس کامحل وقوع ہو، غرض یہ کہ وہ سب اسباب ووسائل جن کے نہ ہونے سے اچھے گھرانوں کے اورعصری تعلیم یافتہ بچے اور بچیاں مدارس سے آج کل بہانہ بنا کر وحشت محسوس کرتے ہیں، ہمیں اسلامی حدود میں رہتے ہوئے جائز حدتک ان سب طبعی ضروریات کا انتظام کرنا ہے، حسبِ ضرورت ان کوگھروں سے لانے لے جانے کے لیے سواریوں کا بھی نظم کرنا ہے۔

اس طرح امید ہے کہ جونوجوان بچیاں اور بچے مدرسوں میں آنے سے کتراتے ہیں یا جن کے پاس اپنی ملازمتوں یا تعلیم میں مشغولیت کی وجہ سے مستقل اپنا وقت بنیادی دینی تعلیم کے لیے فارغ کرنے کی گنجائش نہیں وہ مختصروقتی ان کورسوں سے بڑی آسانی سے فائدہ اٹھا پائیں گے، اگرکسی نے تین ماہ، چھ ماہ یا ایک سال کا کورس مکمل بھی نہیں کیا، صرف ایک دو ہفتہ تک ہی فائدہ اٹھایا تو کم ازکم روزمرہ کے اہم دینی فرائض سے واقف ہوجائیں گے اور حرام وحلال کے تعلق سے موٹی موٹی باتیں ان شاء اللہ ان کے ذہن نشین ہوجائیں گی، الحمدللہ مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کی طرف سے مذکورہ مختصر مدتی اس نصابی تجربہ کوعمل میں لایا گیا ہے اوراس کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیمات کے نام سے مستقل مختصر ومتوسط چالیس روزہ نصاب بھی ترتیب دیا گیا ہے اور اللہ تعالٰی کے فضل سے اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہورہے ہیں، اپنے یہاں اس نظام کا تجربہ کرنے کی خواہش رکھنے والے اس سے بھی فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دینی مدارس کے ذمہ داران کا فریضہ:

اگر دینی مدارس کے ذمہ داران اور علماء کے پیشِ نظر یہ بات رہے کہ دینی مدارس کا م صرف مدرسہ کی چہار دیواری میں موجود طلبا و طالبات کو دینی تعلیم سے آراستہ کرنے تک محدود نہیں بلکہ امتِ مسلمہ اور نئی نسل کی وہ بہت بڑی تعداد جو مادیت اور مغربی تہذیب سے متاثر ہوکر دینی تعلیم سے کوسوں دور ہے بلکہ اسلام پر اعتماد کی بڑھتی کمی کے ساتھ وہ غیر شعوری طور پر الحاد و ارتداد کی طرف جارہی ہے ان کو ان کی جگہ رکھتے ہوئے بنیادی دینی تعلیم سے آراستہ کرنے کا فریضہ بھی ہمارا ہی ہے اور ہمیں ہی ان شاء اللہ حکمت و موعظت کے ساتھ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے ترغیبی و جدید ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے ان کو ایمان و اسلام پر باقی رکھنے کی فکر کرنا ہے۔اس طرح مذکورہ بالا تمام ممکنہ عملی تجاویز کو روبعمل لانا بہت آسان ہوجاتا ہے، اس کے لیے صرف اپنی فکر کو وسعت دینے اور اپنی دینی تعلیمی خدمات کے موجودہ دائرہ کو صرف تھوڑا سا وسیع کرنے کی ضرورت ہے مثلاً اب تک ہمارے مدرسہ کے پچاس لاکھ کے سالانہ بجٹ سے پانچ سو طلبا کی دینی تعلیم کا نظم ہورہا ہے تو اس میں اب صرف دس فیصد اپنے اضافہ کے ساتھ سالانہ پانچ لاکھ شامل کرنے یا اسی بجٹ میں اس رقم کو خاص کرنے سے ایک ہزار طلبا کی بنیادی دینی تعلیم کا فریضہ مدرسہ ہی کی سرپرستی میں ہم بآسانی انجام دے سکتے ہیں، اس طرح نئی نسل میں بڑھتی اسلام پر اعتماد کی کمی کے سیلاب پر پر بند بھی باندھا جاسکتا ہے اور ان شاء اللہ فکری و ذہنی ارتداد کا بھی سد باب ہوسکتا ہے۔

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں میری بات
آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

اصلاحی مضامین

ایک دانا کی انٹرنیٹ سے متعلق اپنے بیٹے کو نصیحت

انٹرنیٹ کے استعمال کے حوالے سے دانا باپ کی بیٹے کو عربی میں ایک قیمتی نصیحت؛ افادۂ عام کے لئے اس کا مفہوم اردو میں پیش کیا جارہا ہے۔ اللہ عمل کی توفیق بخشے۔

پیارے بیٹے! گوگل، فیس بک، ٹویٹر، واٹس ایپ اور باہمی رابطوں کے دیگر تمام ذرائع درحقیقت ایک گہرا سمندر ہیں جس میں لوگ اپنے اخلاق کھو رہے ہیں اور دماغی صلاحیتیں کھپا رہے ہیں۔ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی۔ اس سمندر کی بے رحم موجیں نہ صرف ایک خلق کثیر کو ہلاک کرچکی ہیں بلکہ ہماری عورتوں کی حیا بھی نگل چکی ہیں۔ اس میں انہماک سے بچو۔ اس میں انہماک سے بچو۔ اس میں انہماک سے بچو۔

انٹرنیٹ پر تمہارا رویہ شہد کی مکھی کی طرح ہونا چاہیئے، صرف عمدہ باتوں پر توجہ مرکوز کرو، خود بھی استفادہ کرو اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاؤ۔ عام مکھی کی طرح ہر گندی اور صاف چیز پر مت بیٹھو، مبادا دوسروں تک بیماری کے جراثیم منتقل کرنے لگو اور تمہیں اس کا احساس ہی نہ ہو۔

پیارے بیٹے! انٹرنیٹ ایک بڑی مارکیٹ ہے، یہاں کوئی بھی اپنی چیز مفت لے کر نہیں بیٹھا، ہر شخص اپنا سودا کسی نہ کسی عوض پر دینے کا خواہشمند ہے۔ کوئی اپنی چیز کا سودا اخلاق کی قیمت پر کرنا چاہتا ہے تو کسی کو فکری انتشار کی تجارت پسند ہے۔ بعض کا مقصد شہرت اور حبِ جاہ ہے اور ایسے بھی ہیں جو اپنے تئیں خیر خواہی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس لیئے خریداری سے پہلے سامان کی خوب جانچ پڑتال کرو۔

پیارے بیٹے! تعلقات قائم کرنے میں بھی احتیاط سے کام لو، بعض تعلقات شکاری کے جال کے مانند ہیں، بعض برائی کا سرچشمہ ہیں، کچھ بے حیائی اور فسق و فجور پر مبنی ہیں اور کچھ کا انجام تباہی اور بربادی ہے۔

پیارے بیٹے! نشر و اشاعت میں بھی محتاط رہو، جن باتوں سے شریعت نے منع کیا ہے انہیں کاپی پیسٹ کرنے سے گریز کرو، یہ نیکیوں اور گناہوں کی تجارت ہے تم کیا سودا بیچ رہے ہو اس پر تمہاری گہری نظر رہنی چاہیئے۔

پیارے بیٹے! کسی تحریر پر کمنٹ یا اسے شیئر کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح بار بار سوچ لیا کرو کہ یہ اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے یا ناراضی کا۔

پیارے برخوردار! ایسے شخص کی دوستی پر بھروسہ مت کرو جسے تم نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو، لوگوں کی تحریروں سے انہیں سمجھنے کی کوشش مت کرو۔ یہ دوست کے بھیس میں اجنبی ہیں، ان کی تصویروں میں ڈبنگ (جعلسازی) ہے، ان کا اخلاق و کردار مخفی ہے، ان کی گفتگو میں ملمع سازی ہے، ان کے چہروں پر ماسک (خول) ہیں، یہ جھوٹ بھی ایسے بولتے ہیں کہ سچائی کا گمان ہوتا ہے؛ بہت سے عقلمند دکھائی دینے والے درحقیقت بڑی حماقت میں مبتلا ہیں، کتنے خوبصورت ایسے ہیں جو حقیقت میں بدصورت ترین ہیں، بہت سے سخی نظر آنے والے ایسے ہیں جن کا شمار کنجوس ترین لوگوں میں ہوتا ہے، بے شمار ایسے ہیں جو شجاعت کے وصف سے شہرت رکھتے ہیں مگر پرلے درجے کے بزدل ہیں۔ سوائے ان کے جن پر اللہ کریم کی رحمت ہو۔ برخوردار! تمہارا شمار بھی انہی میں ہونا چاہیئے۔

پیارے بیٹے! فرضی نام (فیک آئی ڈیز) رکھنے والوں سے بھی دور رہو۔ ایسے لوگ اعتماد سے عاری ہوتے ہیں، سو اس شخص پر کیوں کر اعتماد کیا جائے جسے خود پر ہی اعتماد نہ ہو اور تم بھی فرضی نام اختیار مت کرنا، کیونکہ اللہ ہمارے لمحہ لمحہ کے ہر راز سے واقف ہے۔

میرے عزیز بیٹے! جو تیرے ساتھ نامناسب رویہ اختیار کرے اس کے ساتھ ویسا ہی رویہ اختیار مت کرنا، تمہارا رویہ تمہاری اپنی شخصیت کا آئینہ ہے اور اس کا کردار اس کی اپنی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ سو تم اپنے اخلاق کی نمائندگی کرو اس کے اخلاق کی نہیں۔ ظاہر ہے برتن سے وہی کچھ چھلکے گا جو اس کے اندر ہے۔

پیارے بیٹے! کوئی چیز لکھنے سے پہلے ہزار بار سوچو، تم جب لکھتے ہو تو تمہارے فرشتے بھی لکھ رہے ہوتے ہیں، اور اس سارے عمل کی نگرانی براہِ راست اللہ تعالیٰ کرتے ہیں۔

پیارے بیٹے! انٹرنیٹ کے بحرِ ظلمات میں جس چیز کا مجھے سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ نظر کا غلط استعمال ہے یعنی ایسی تصویریں اور ویڈیو کلپس دیکھنا جن میں اللہ کی نافرمانی ہو۔ اگر تو اپنے نفس کو ان محرمات سے دور رکھ سکے تو انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا سے بھرپور استفادہ کرنا اور اس سے دین کی نشر و اشاعت کا کام لینا، لیکن اللہ نہ کرے اللہ محفوظ رکھے اگر تمہارا نفس ان محرمات کے شکنجے میں پھنسا ہوا ہے تو انٹرنیٹ کی دنیا سے ایسے دور بھاگنا جیسے انسان وحشی درندے سے بھاگتا ہے ورنہ روزِ محشر تیرا سامنا اللہ سے ہوگا اور دوزخ تیرا ٹھکانہ بنے گی۔

پیارے بیٹے! انٹرنیٹ غفلت اور شہوت کا ایک بڑا باعث ہے اور انہی دو چیزوں کے ذریعے شیطان نفس پر حاوی ہوتا ہے۔ دھیان رہے کہ انٹرنیٹ تمہارے فائدے کے لیئے ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ، یہ غفلت کے لیئے نہیں کہ اسی کے ہو کر رہ جاؤ، اس سے تعمیر شخصیت کا کام لو تخریب کا نہیں، نیز قیامت کے دن اسے اپنے حق میں گواہ بناؤ نہ کہ اپنے خلاف۔

اصلاحی مضامین

کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا

مولانا محمد رفعت رضوان قاسمی*

عہد نبوی میں متکبرین کا یہ فیشن تھا کہ کپڑوں کے استعمال میں بہت اسراف سے کام لیتے تھے، اور اس کو بڑائی کی نشانی سمجھتے تھے، ''ازار'' یعنی تہبند اس طرح باندھتے تھے کہ چلنے میں نیچے کا کنارہ زمین پر گھسٹتا تھا، اسی طرح قمیص اور عمامہ اور دوسرے کپڑوں میں بھی اسی قسم کے اسراف کے ذریعہ اپنی بڑائی اور چودھراہٹ کی نمائش کرتے گویا اپنے دل کے استکبار اور احساسِ بالاتری کے اظہار و تفاخر کا یہ ایک بہترین وانمول ذریعہ تھا، جیسا کہ صلحِ حدیبیہ کے اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت عثمان بن عفانؓ ایک سفیر کی حیثیت سے قریش کے پاس گئے تو قریش نے حضرت عثمانِ غنیؓ کی لنگی ٹخنوں سے اوپر دیکھ کر کہا آپ اُسے نیچی کر لیں کیوں کہ روسائے قریش اُسے معیوب سمجھتے ہیں، تو آپ نے جواب دیا ''لا ھکذا'' میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۶۸۵۲) گویا کپڑا پہننے کا ایک خاص فیشن اور خاص انداز تھا مشرکینِ عرب کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل ایمان کو کپڑا پہننے کے بھی آداب سکھائے تا کہ اس سے بھی اغیار سے مشابہت ختم ہو جائے اور کبر و غرور کا بالکل خاتمہ ہو جائے اور بندے اس عمل (کپڑا پہننے) سے اپنے رب کو راضی کر سکیں، چناں چہ بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی اپنا کپڑا کبر و غرور اور فخر کے طور پر (زمین پر) گھسیٹے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر کرم نہ فرمائے گا؛ من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ مومن بندے کے لئے ازار یعنی تہہ بند باندھنے کا طریقہ (یعنی بہتر) یہ ہے کہ پنڈلی کے درمیانی حصہ تک ہو اور نصف ساق اور ٹخنوں کے درمیان تک ہو تو یہ بھی گناہ نہیں ہے اور جو اس سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس آدمی کی طرف نگاہ

* استاذ مدرسہ امداد العلوم ٹین پوش، حیدرآباد

اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا، جو ازراہِ فخر و تکبر اپنی ازار گھسیٹ کر چلے گا۔ ”ازارة المومن الی انصاف ساقیه، لاجناح علیه فیما بینه و بین الکعبین و ما اسفل من ذالک ففی النار ، قال ذالک ثلث مرات و لا ینظر اللہ یوم القیامة الی من جر إزاره بطرا“ (ابو دائود: اللباس: ۴۰۹۵)

ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جو شخص ازراہِ تکبر نماز میں اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے ہوئے ہو تو اللہ کی طرف سے نہ اس کے لئے جنت حلال ہوگی نہ جہنم حرام ہوگی۔ من اسبل ازاره فی صلاته خیلاء فلیس من اللہ جل ذکره فی حل و لا حرام (الصلاة: ۶۳۷)

ابوداؤد شریف ہی کی ایک روایت ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسبالِ ازار (یعنی ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے) سے بچو، کیوں کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتے۔ (اللباس: ۴۰۸۴)

نبی کریم ﷺ کے ان ارشاداتِ عالیہ اور اتنی سخت وعیدوں کے بعد ادنیٰ دینی غیرت رکھنے والے کے لئے بھی یہ گنجائش نہیں رہ جاتی کہ وہ بلا کسی عذرِ شدید کے اسبالِ ازار کی جرأت کرے، مگر افسوس کہ دیکھا دیکھی اور کم علمی و فیشن پرستی کی وجہ سے ٹخنوں سے نیچے کپڑے پہننے کی بیماری اتنی عام ہو چکی ہے ہر کوئی چھوٹا ہو یا بڑا جوان ہو یا بوڑھا سب مبتلا ہیں۔

نمازی اکثر اس کی طرف توجہ نہیں دیتے؛ جبکہ نماز کی مقبولیت و کامل ثواب اس عمل سے اجتناب کرنے میں ہے، اس کے برخلاف لاپرواہی و بے توجہ اور غفلت مومن کو متکبر بنا دیتی ہے، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑے گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے چاہے پہننے والا تکبر کا ارادہ نہ کرے“ آگے فرماتے ہیں! ”علماء کی ایک بڑی جماعت نے تکبر اور عدم تکبر کے درمیان فرق کئے بغیر ”اسبال ازار“ (کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے) کو حرام قرار دیا ہے، اور عدم تکبر کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا ہے؛ بلکہ حضور ﷺ کے اِن ارشادات کے بعد اسبالِ ازار کو تکبر کی دلیل اور علامت قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ۱۰/ ۳۲۵)

لہذا ہر مسلمان کو نماز کے اندر بھی اور نماز کے باہر بھی ٹخنوں کو کپڑے (لنگی، پائنٹ، پائجامہ، جبہ وغیرہ) سے چھپانے کے قبیح و مذموم فعل سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیئے، تاکہ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ کی نظرِ رحمت و عنایت سے محروم نہ ہوں۔

دعوتِ فکر و عمل

صلح حدیبیہ کا پیغام نوجوانوں کے نام

از: مولانا زین العابدین قاسمی*

ہجرت کا چھٹا سال ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کی نیت سے اپنے صحابہؓ کو لے کر مدینہ سے چلتے ہیں، جب حدیبیہ[1] کے مقام پر پہنچتے ہیں، تو مشرکین مکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اور آپ کے صحابہؓ کو عمرہ سے روک دیتے ہیں، اس مقام پر مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان جو صلح ہوتی ہے، اس صلح کو "صلح حدیبیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس صلح میں کفار مکہ نے ایسی شرطیں رکھیں کہ جن کے قبول کیے جانے پر کفار کی ظاہراً جیت تھی، جس سے ان کے تکبر اور غرور کو مزید بڑھاوا ملتا تھا۔ جب کہ صحابہؓ کی اکثریت ان شرطوں کو قبول کرنے کے حق میں نہیں تھی، خاص طور پر یہ دو شرطیں: (۱) آئندہ سال عمرہ کی اجازت ہوگی، امسال عمرہ کرنے نہیں دیا جائے گا۔ (۲) اہل مکہ میں سے اگر کوئی مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو اس کو واپس کرنا لازم ہوگا، مگر مدینہ سے کوئی مسلمان اہل مکہ سے آملے تو کفار مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے۔ ان شرائط کو ماننے پر صحابہؓ کے دل کسی طرح تیار نہ تھے؛ اس لیے کہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا، اور مہاجر صحابہؓ کے دل نہ جانے اپنے قدیم وطن کی زیارت کے لیے کب سے دھڑک رہے تھے، اسکی یاد سے ان کے دل ہمہ وقت لبریز رہتے، اور اپنے جذبات کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر تسکین حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ اب یہ ایک موقع ملا تھا، نہ جانے کتنے شوق و ذوق سے تیاری کی ہوگی، اپنے اعزا و اقربا، قبیلہ والوں سے ملنے کا عرصہ دراز کا انتظار اب ختم ہونے کو تھا، اور جب اتنے قریب پہنچے کہ وطن عزیز کی ہوائیں چہروں کا بوسہ لے رہی تھیں، اور اس کی مٹی کی خوشبو تمام سفر کی صعوبتوں کو کافور کر رہی تھی، اچانک یہ صلح ان کے دلوں پر بجلی بن کر گرتی ہے، ان کے دلوں کو بے چین کر دیتی ہے۔ مزید یہ کہ "معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ عین اس وقت حضرت ابو جندل جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ میں کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں

[1] مکہ مکرمہ کے کچھ فاصلہ پر ایک کنواں تھا، جس کو حدیبیہ کہا جاتا تھا، گاؤں بھی اسی کی مناسبت سے مشہور ہوگیا، چونکہ صلح کا معاہدہ یہیں ہوا، اس لیے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔

* نائب ناظم دار العلوم امام ربانی، نیرل

پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے، سہیل (جو حضرت ابو جندل کے والد تھے) نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ اس (ابو جندل) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دے دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ابھی معاہدہ قلم بند نہیں ہوا۔ سہیل نے کہا تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا ان کو یہیں رہنے دو۔ سہیل نے نامنظور کیا۔ آپ نے چند دفعہ اصرار کیا، لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا۔ مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد کرنا پڑا۔ ابو جندل رضی اللہ عنہ کو کافروں نے اس طرح مارا تھا کہ ان کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟ میں اسلام لا چکا ہوں۔ کیا مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو؟ تمام مسلمان تڑپ اٹھے"۔ (سیرۃ النبی: ۱/ ۲۶۰)

اس صورت میں صحابہؓ کی اطاعت شعاری، سمع وطاعت کا سخت امتحان تھا، ایک طرف وطن کی محبت کا طوفان بلا خیز تھا، دوسری طرف ایک نو مسلم بھائی کفار کی اذیتوں سے بھاگ کر آیا ہے اور چودہ سو جاں نثاران اسلام سے مدد کی بھیک مانگ رہا ہے۔ ایسے موقع پر صحابہؓ نے جو تسلیم و رضا کا ثبوت دیا، وہ ہمارے لیے اسوہ ہے، انہوں نے فوراً سنبھال لیا، اپنے آپ کو جذبات کے سمندر سے نکالا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے آگے، سر تسلیم خم کیا۔ اور پھر تاریخ بتاتی ہے کہ کس طرح یہ عارضی شکست ایک بڑی فتح (مکہ) کا پیش خیمہ بنی۔

اب جب کہ نئے ہجری سال کی آمد آمد ہے، بھارت کی صورت حال یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے عالمی سطح پر" دھشت گردی" کی جو مہم چلائی گئی ہے، اس کی زد سے ہمارا ملک بھی نہ بچ سکا، چنانچہ برادران وطن کے خاصے بڑے حصے کا یہ ذہن بنا دیا گیا کہ مسلمان، دھشت گرد، انتہا پسند اور تخریب کار ہوتا ہے۔ اس قسم کے جھوٹے پروپیگنڈوں کے دوش پر، مٹھی بھر لوگ جہاں سیاسی مفاد حاصل کر رہے ہیں، وہیں یہ لوگ ملک کے ایک بہت بڑے طبقے کے دلوں میں مسلم نفرت کا بیج بو کر ملک کی فضا کو زہر آلود کر رہے ہیں بلکہ کر چکے ہیں، جس کے نتیجہ میں برادارن وطن کا ذہن یہ بنتا جا رہا ہے کہ یہ اقلیت ہمارے ملک و سماج کے لیے خطرہ ہے، ان کے وجود کے رہتے ہمارا ملک کبھی ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہم چین سے زندگی گزار سکتے ہیں، اسی طرح، نہ ہماری آنے والی نسلیں سکون کا سانس لے پائیں گی۔ اس ذھنیت کے چلتے بعض علاقوں میں برادرانِ وطن کی طرف سے آئے دن کوئی نہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہو جاتا ہے، اور پھر ردعمل کے طور پر مسلمانوں میں انتقامی جذبے کا پروان چڑھنا اور برادران وطن سے دلی عداوت و بغض اور اس کے اظہار کی ہر ممکن جد و جہد کرنا، یہ ایک فطری بات ہے۔ مگر یہ ناخوشگوار واقعات اور اس کے نتیجہ میں مسلم معاشرے میں ردعمل کی بڑھتی نفسیات اس بات کی دلیل ہے کہ پردہ کے پیچھے جو لوگ ہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ جب کہ دشمن کو اپنے

مقصد میں کامیاب نہ ہونے دینا، بلکہ اس کی چالوں کو اسی پر الٹ دینا یہ عقلمندی، حکمت و دانشمندی کا تقاضا ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر جذبات کی باگیں عقل وفکر کے ہاتھ میں رکھنا آسان نہیں ہوتا، جذبات کا سیلاب بلاخیز تنکے کی طرح بہالے جاتا ہے،، تو اکثر ایسی حالت میں نوجوان اپنے بزرگوں کی بات سننے اور ماننے اور ان کے تجربات سے فائدہ حاصل کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتے ہیں اور پھر وہ نقصانات سامنے آتے ہیں جو ان کی ذات سے بڑھ کر ماحول و معاشرے کو متاثر کردیتے ہیں۔

اب وقت کی ضرورت ہے کہ مسلم معاشرہ کی تربیت انہیں خطوط پر کی جائے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، کی تھی، جس کا نتیجہ صلح حدیبیہ میں نظر آیا۔ اور یہ اہم کام ہمارے علماء وخطباء اور اہل قلم حضرات اسوۂ رسول اکرم کی روشنی میں بہت اچھے انداز میں کرسکتے ہیں کہ وہ پوری قوم کو جذباتیت کے دلدل سے نکال کر ان میں تعمیری نفسیات، شعور کی بیداری اور فکری تربیت کی آبیاری کریں اور جذباتی نعروں میں بہنے کے بجائے عقل و ہوش کے ساتھ ہر موضوع اور مسئلہ پر غور وفکر کرنے کا مزاج بنائیں۔ اپنے مخلص علماء، قائدین اور رہبران ملت کے بارے میں حسن ظن کا مادہ پیدا کریں۔ اپنی غلطیوں کی پردہ پوشی اور تاویلات کا سہارا لینے کے بجائے، اسے تسلیم کرنے کی طبیعت بنائیں۔ دوسروں کے احساسات کا احترام سکھایا جائے۔ پتھر پھینکنے والوں پر پھول کی بارش کرنے کا جذبہ پروان چڑھائیں۔ منافق، سازشی اور دجل وفریب کاروں سے چوکنا رہنے کے گر بتائے جائیں۔ جوش اور عاقبت نااندیشی کے گرداب میں محصور رہنے کے بجائے، ہوش وتدبر، غور وفکر سے کام لے کر بزرگوں کے تجربات اور مسلم اصولوں کی روشنی میں اپنے اسلامی جذبہ کے لیے درست اور صحیح میدان عمل متعین کرنے کی تلقین کریں، تاکہ کوئی قوت، کوئی غلط دعوت وتحریک انھیں صحیح راہ سے ہٹا نہ سکے، اس طرح ملت کے احساس زیاں کو احساس عمل کا رخ ملے گا۔

منظوم کلام

عظمتِ صحابہؓ

احادیث و واقعات کی روشنی میں

کاوش: مفتی اکرام الحسن مبشر*

نبی پر جن صحابہؓ نے نچھاور کردیا تن من
ہوا سیراب اُن سے ہی ہمارے دین کا گلشن

صحابہؓ کی جماعت کے، پیمبر سے محبت کے
پڑھو قصّے اطاعت کے، سجالو اُن سے پھر دامن

خدا نے ہی دیا چُن کے، نبی کے وہ نبی اُن کے
نبی ہی زندگی اُن کی، نبی ہی اُن کی ہے دھڑکن

ابوبکر و عمر جیسا پیمبر سے جڑے رشتہ
نبی کے ساتھ رہتے تھے، نبی کے ساتھ ہے مدفن

یہ کانوں میں صدا آئی: خدا کی راہ میں نکلو
چلے پھر چھوڑ کر اُس کو جو تھی اِک رات کی دُلہن

صحابہؓ کے یہ سب قصّے، اگر سنتے رہیں بچّے
تو ایماں کے چراغوں سے چمک اٹّھے گا گھر آنگن

صحابہؓ کو نہ مانیں جو، برائی جو کریں ان کی
ہے ماتم اُن کی عقلوں پر ہے لاحق اُن کو پاگل پن

سنو! کردو صحابہؓ کا گلی کوچوں میں چرچا یوں
کہ سن کر بھاگ ہی جائے صحابہؓ کا ہر اِک دشمن

اگر اکرؔام تو چاہے رضا رب کی، پیمبر کی
محبت کر صحابہؓ سے، صحابہؓ کا دیوانہ بن

*استاذ شعبہ معہد الاشرف اکبر باغ ادارہ ہذا

فکر و نظر

ترکی۔ خلافت عثمانیہ کی راہ پر

از: مولانا محمد نفیس خان ندوی*

اگست 1897ء میں بیسل (سویزرلینڈ) میں پہلا عالمی صہیونی اجلاس منعقد ہوا، اس موقع پر تھیوڈر ہرزل (Theodor Herzl) نے عالمی صہیونی تحریک (World Zionist Organization) کی بنیاد رکھی، اس تحریک کے بنیادی واولین مقاصد میں فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری شامل تھی، تھیوڈر ہرزل نے مغربی طاقتوں کی تائید کے بعد خلیفہ عبدالحمید ثانی سے ملاقاتیں کیں اور 1896ء سے 1902ء کے درمیان پانچ مرتبہ خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوا، ابتدائی ملاقاتوں میں اس بات کا اظہار کیا کہ اگر سلطنت عثمانیہ یہودی مہاجرین کو پناہ دے تو وہ سلطنت کے ماتحت رہیں گے اور اپنے کاروبار کے ذریعے بڑی رقم ٹیکس کی مد میں بھی دیں گے۔ سلطان عبدالحمید نے یورپ میں مظالم سہنے والے یہودی مہاجرین کے سلطنت میں آنے پر آمادگی ظاہر کی مگر اس شرط کے ساتھ کہ ان تمام کو کسی ایک جگہ پر نہیں رکھا جائے گا بلکہ وہ ملک کے مختلف علاقوں میں آباد کیے جائیں گے۔ تھیوڈر ہرزل کا اصل مقصد یہودیوں کی ایک ایسی بڑی کمپنی کا قیام تھا جو ضرورت پڑنے پر جتنی چاہے زمین خرید سکے تاکہ ان کے خفیہ ارادوں کی تکمیل ممکن ہو چنانچہ اس نے سلطان کی اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اس طرح اس کے اور سلطان کے مابین معاہدہ طے نہ ہوسکا۔

ہرزل نے اپنی آخری ملاقات میں سلطان کو خطیر رقم کی پیشکش بھی کی اور کہا: اگر آپ بیت المقدس اور فلسطین میں ہمیں جگہ دے دیں تو ہم خلافت عثمانیہ کا سارا قرضہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے۔''

یہ وہ وقت تھا جب سلطنت عثمانیہ بحران کا شکار ہوچکی تھی، مالی حالت خستہ تھی، قرض کا بوجھ بڑھ چکا تھا، خلافت کی بنیادیں ہل چکی تھیں، اور عالمی سطح پر اس کا وزن گھٹ چکا تھا، ایسی صورتحال میں ایک خطیر رقم کی پیشکش اس کی معاشی صورتحال میں بہتری اور قرضوں کی ادائیگی کے لئے بڑی اہمیت رکھتی تھی اور سلطان کی اولین ترجیحات میں سے ایک سلطنت کی معاشی حالت کو بہتر کرنا بھی تھا مگر سلطان عبدالحمید نے صہیونیوں کے عزائم بھانپتے ہوئے اس پیشکش کو یہ کہتے ہوئے ٹھکرادیا:

* معاون مجلس ادارت ماہنامہ پیامِ عرفات، لکھنؤ

I cannot sell even a foot of land, for it does not belong to me, but to my people. My people have won this empire by fighting for it with their blood and have fertilized it with their blood. We will again cover it with our blood before we allow it to be wrested away from us”

’’میں زمین کا ایک فٹ ٹکڑا بھی نہیں بیچ سکتا کیونکہ یہ میری نہیں بلکہ عوام کی ملکیت ہے۔میری رعایا نے یہ سلطنت اپنے خون سے حاصل کی ہے اور خون ہی سے اس کی آبیاری کی ہے۔اس سے پہلے کہ ہم اسے اپنے ہاتھ سے جانے دیں، ہم دوبارہ اسے اپنے خون سے ڈھانپ لیں گے‘‘۔

ترکی کی اس گئی گذری حالت میں بھی اس کے خلیفہ نے اپنی دینی غیرت اور اسلامی حمیت کا ثبوت دیا، اگرچہ اس کے بعد سے ہی ترکی کے خلاف سازشوں کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا، یہودی لابی نے مسیحی وسائل کا بھرپور استعمال کیا، اور اپنی دانست میں یورپ کے اس ’’مرد بیمار‘‘ کی آخری سانسیں تک چھین لیں، چنانچہ 1918ء میں پہلی عالمی جنگ کے اختتام نے ترکی کی شکست وریخت پر مہریں ثبت دیں، برطانیہ کی سربراہی میں فاتح قوتیں ترکی کے بڑے حصے پر قابض ہوگئیں، اور پھر فاتح اور مفتوح کے درمیان رسوا کن شرطوں کے ساتھ ایک ظالمانہ معاہدہ ہوا جسے ’’معاہدۂ لوزان‘‘ (Treaty of Lausanne) کے نام سے جانا جاتا ہے، یہ معاہدہ پورے سو سال پر محیط ہے۔

معاہدۂ لوزان کا انعقاد سوئزرلینڈ کے ایک شہر ’’لوزان‘‘ میں 24 جولائی 1923ء کو اتحادیوں اور ترکی کے درمیان طے پایا تھا، اس معاہدہ کی رو سے ترکی کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے، اور ترکی اگلے سو سال کے لیے اس معاہدہ پر عمل درآمد کا پابند قرار پایا، معاہدہ کی دفعات اور ان دفعات میں پوشیدہ یورپ کی مسلم دشمنی بھی ملاحظہ ہو:

نمبر ۱:۔اسلامی خلافت ختم کی جائے گی اور اس کی جگہ سیکولر ریاست قائم ہوگی۔

نمبر ۲:۔عثمانی خلیفہ کو ان کے خاندان سمیت ملک بدر کیا جائے گا۔

نمبر ۳:۔خلافت کی تمام مملوکات ضبط کرلی جائیں گی جن میں سلطان کی ذاتی املاک بھی شامل ہوں گی۔

نمبر ۴:۔ترکی پٹرول کے لئے نہ اپنی سرزمین پر اور نہ ہی کہیں اور ڈرلنگ کر سکے گا، اپنی ضرورت کا سارا پٹرول اسے امپورٹ کرنا ہوگا۔

نمبر ۵:۔باسفورس عالمی سمندر شمار ہوگا اور ترکی یہاں سے گذرنے والے کسی بحری جہاز سے کسی قسم کا کوئی ٹیکس وصول نہیں کرے گا۔

واضح رہے کہ باسفورس کی سمندری کھاڑی بحر اسود، بحر مرمرہ اور بحر متوسط کا لنک ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ عالمی تجارت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والی نہر سویز کے ہم پلہ قرار دی جاتی ہے۔

اس معاہدہ کے ساتھ ہی ''خلافت عثمانیہ'' کی بساط لپیٹ دی گئی اور افریقہ، ایشیاء اور یورپ تک پھیلی ہوئی عظیم سلطنت بندر بانٹ کا شکار ہوگئی، یورپ کے علاقے چھین لیے گئے، عراق، اردن اور فلسطین برطانیہ کے کنٹرول میں چلا گیا، شام، لبنان، الجزائر اور لیبیا فرانس کے قبضہ میں آئے، اناطولیہ اور آرمینیا کو ترکی سے کاٹ کر آزاد ملک بنادیا گیا۔ خلیفہ کی ملک و بیرون ملک جائدادیں ضبط کرکے ملک بدر کردیا گیا، اسی پر بس نہیں؛، خلیفہ کی معزولی کا پروانہ لے کر اسی صہیونی لیڈر رہرزل کو بھیجا گیا جسے خلیفہ نے فلسطین کے مطالبہ پر اپنے دربار سے دھتکار کر نکالا تھا۔ صیہونیوں کی جانب سے یہ لہراتا ہوا وہ خنجر تھا جو خلافت کی قبا چاک کرتا ہوا فلسطین کے سینے میں اتر گیا۔

چاک کر دی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
اپنوں کی سادگی دیکھ اوروں کی عیاری بھی دیکھ

مبصرین کی نظر میں اسلامی تاریخ کے سانحوں میں سب سے دردناک اور کرب انگیز سانحہ شاید 1923ء میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کا تھا۔ ترکی میں خلافت قائم تھی، وہ جیسی بھی تھی؛ مسلمانوں کے اتحاد اور ان کی مرکزیت کا عنوان تھی، یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمان بھی خلافت عثمانیہ کے خاتمے پر تڑپ اٹھے، متحدہ ہندستان کی گلیاں اور بازار ''تحریک خلافت'' کے پرہجوم جلسوں اور پرجوش نعروں سے گونج اٹھے۔ یہ عجیب تاریخی منظر تھا کہ ایک طرف ترک نیشنلزم اور ''قومیت عربیہ'' کا ہتھیار عالم اسلام کے حصے بخرے کرنے اور خلافت عثمانیہ کو بکھیرنے کے لیے پوری قوت کے ساتھ استعمال کیا جارہا تھا، انہی دنوں جنوبی ایشیا میں قومی راہنماؤں مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، حکیم محمد اجمل خانؒ، ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ، ڈاکٹر سیف الدین کچلوؒ، چودھری افضل حقؒ، مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جیسے علما و قائدین خلافت عثمانیہ کو بچانے کے لیے سرگرم عمل تھے اور وہ برطانوی حکومت سے خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کی مہم روک دینے کا مطالبہ کررہے تھے، اس دور کا یہ نعرہ آج بھی پرانے لوگوں کے کانوں میں گونج رہا ہے کہ ''بولی اماں محمد علی کی، جان بیٹا خلافت پہ دے دو''۔ اس مہم میں بڑی حد تک گاندھی اور نہرو بھی تحریک خلافت کی حمایت میں تھے اور کھلے بندوں اس کا ساتھ دے رہے تھے، یہ تحریک خلافت برصغیر میں سیاسی تحریکات کی ماں ثابت ہوئی جس کی کوکھ سے آزادی ہند کی سیاسی تحریکات نے جنم لیا۔

بہر حال مذکورہ شرائط پر عمل کرتے ہوئے دنیا کو ایک نئے ترکی سے متعارف کرایا گیا، اس نئے ترکی کی سیاسی باگ ڈور مغربی ایجنٹ مصطفی کمال اتاترک کے ہاتھوں میں تھما دی گئی پھر ساری دنیا نے دیکھا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد ترکی میں نوجوان ترکوں کا غلبہ شروع ہو گیا۔ یہیں سے Youngs Turks کی اصطلاح نکلی، جنھوں نے مصطفی کمال پاشا کی قیادت میں اسلام پسندوں پر مظالم ڈھائے، علما کا قتل عام کیا، نماز کی ادائیگی اور تمام اسلامی رسومات پر پابندی لگا دی، عربی زبان میں خطبہ، اذان اور نماز بند کر دی گئی، مساجد کے اماموں کو پابند کیا گیا کہ وہ "ترک" زبان میں اذان دیں، نماز ادا کریں اور خطبہ پڑھیں، اسلامی لباس اتروا کر عوام کو یورپی کپڑے پہننے پر مجبور کیا گیا، مصطفی کمال پاشا اور اس کے ساتھی نوجوان ترکوں نے ترکی میں اسلام کو کچلنے کے لیے جتنی گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو جتنا نقصان پہنچایا، اس کی مثال روس اور دیگر کمیونسٹ ملکوں کے علاوہ شاید کہیں اور نہ ملے۔

کمال اتاترک نے ترکی کو بچانے کے نام پر یورپ کے مطالبہ پر نہ صرف خلافت سے دستبرداری اختیار کی تھی بلکہ شریعت اسلامیہ اور مذہبی شعائر کو بھی پوری طرح مسخ کر دیا تھا جس کا تسلسل 1938 تک قائم رہا۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد عوام کو کچھ جمہوری آزادیاں نصیب ہوئیں، سیاست میں اتاترک کی ری پبلکن پارٹی ہی کے بطن سے ڈیموکریٹک پارٹی نے جنم لیا اور عدنان میندریس کی قیادت میں دو پارٹی نظام اور دستوری حکومت کا یک گونہ آغاز ہوا جس کے نتیجے میں عوام کو اپنے دینی اور تہذیبی جذبات کے اظہار کا کچھ موقع ملا، دینی شعائر پر جو پابندیاں تھیں وہ کچھ کم ہوئیں، اذان عربی زبان میں بحال ہوئی، قرآن اور دینی کتب سے رجوع بڑھا، دینی مدارس کا احیا اسکول کی شکل میں ہوا، اور اس طرح ترکی نے اپنی اصل شناخت کی طرف مراجعت کے سفرِ نو کا آغاز کیا۔

اسلامی بیداری کی ان کرنوں کی وجہ سے ترکی کے سیکولر نظام میں دراڑیں پڑنے لگیں اور اسے 'خطرے کی گھنٹی' سمجھتے ہوئے ملک کی سیکولر قوتوں نے (جن کے چار ستون فوج، بیوروکریسی، عدالت اور میڈیا تھے)، مغربی اقوام کی مدد سے ترکی کی خود اپنی دینی اور تہذیبی شناخت کے خلاف ایک نئی کش مکش اور تصادم کو فروغ دیا جس نے ملک کے امن وسکون کو غارت کر دیا، عدنان میندریس کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی، اور انھیں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

1923ء سے 1997ء تک کے نظریاتی کش مکش کے اس دور میں عدنان میندریس کے چند سالہ شعلے کے علاوہ جن دو شخصیات نے تاریخ کے رُخ کو موڑنے کا کام کیا ان میں سب سے نمایاں بدیع الزماں سعید نورسی

(1876ء-1960ء) اور نجم الدین اربکان (1926ء- 2011ء) ہیں۔ سعید نورسی نے شروع میں اتاترک کا ساتھ دیا لیکن جب اتاترک نے سیکولرزم اور مغرب کی تقلید کا راستہ اختیار کیا، قومیت کے سیکولر تصور کو قوت کے ذریعے مسلط کرنے کی کوشش کی، اور اسلام کو اجتماعی زندگی سے بے دخل کرنے کا ایجنڈا شروع کیا تو سعید نورسی نے اسے چیلنج کیا اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں لیکن اسلام کی بنیادی دعوت اور پیغام کو زندہ رکھا اور تصوف کے سلسلۂ نقشبندی کے فروغ، دینی مدارس کے قیام اور اپنے خطوط اور تحریروں کے ذریعے اسلام کی شمع کو روشن اور عام آبادی کو دین سے وابستہ رکھنے کی خدمت انجام دی۔

نجم الدین اربکان نے ان دعوتی اور روحانی کوششوں کو اپنے انداز میں مضبوط اور مستحکم کرنے کے ساتھ دین کے اجتماعی زندگی میں کردار کے احیا کو اپنا مشن بنایا، اور نہایت مشکل حالات میں بڑی حکمت و دانش مندی اور صبر و استقامت کے ساتھ ترکی کو اس کی دینی اور تہذیبی شناخت کے احیا اور اُمت مسلمہ سے ایک بار پھر جڑ کر طاقت کی نئی قوت کے حصول کے راستے پر ڈالا۔ اس کے ساتھ انھوں نے ترکی کو مغرب کی سیاسی، معاشی اور تہذیبی غلامی سے نکال کر خود انحصاری اور ملّت اسلامیہ سے دوبارہ جڑنے اور مربوط ہونے کے نئے تاریخی سفر کا آغاز کیا۔

1995 میں ہونے والے انتخابات میں نجم الدین اربکان کی رفاہ پارٹی نے ملک کے 21 فیصد ووٹ حاصل کر لیے اور ایک دوسری جماعت کے ساتھ شراکت میں حکومت قائم کر لی، ترکی کے ایوان نمائندگان نے آپ کو اپنا قائد ایوان منتخب کر لیا، عدنان میندریس شہید کے بعد ترکی کے ایوان اقتدار میں پہلا اسلام پسند مردِ جری داخل ہوا، آپ نے ترک عوام کو معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر اہم کثیر الجہتی اقدامات کیے، آپ کی معتدل مزاجی اور فراست کا کرشمہ یہ ہے کہ آپ نے ترک سیاست کا محور سیکولرزم سے اسلام میں تبدیل کر دیا۔ ترک فوج کے سیکولر پسندوں کو آپ کی بلکہ دوسرے الفاظ میں اسلامی طرز حکمرانی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کہاں گوارا ہو سکتی تھی، انہوں نے صرف ایک سال بعد ہی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی حکومت ختم کر دی۔ اس بار آپ کے عملی سیاست میں حصہ لینے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔

نجم الدین اربکان کے بعد ترکی کے نظام حکومت میں اسلامی روح پھونکنے کا کارنامہ موجودہ صدر حافظ رجب طیب اردغان نے انجام دیا، ابتدائی دور میں وہ ترکی کے قدآور اسلامی نظریاتی و سیاسی رہنما نجم الدین اربکان کی 'رفاہ اسلامی پارٹی' سے وابستہ رہے، انہوں نے بعض عملی مصالح سے 'انصاف اور وکاس پارٹی' قائم کی، جس کی روح اربکان کی تحریک کا ہی پرتو ہے۔ اسی تحریک کی بدولت ترکی میں جوہری تبدیلیوں کا دور شروع ہوا،

سیکولرزم کے نام پرعوام پر مسلط جبری لادینیت کا حصار ٹوٹا، مذہبی آزادی نے عوام کو روحانی سکون دیا اور دینی شعار واقدار کی بحالی نے اسکولوں، کالجوں، دفتروں اور بازاروں کے ماحول کو نیا رنگ وآہنگ عطا کیا، پہلے وزیراعظم اور پھر صدر کی حیثیت سے جناب رجب طیب اردغان اوران کے پیش روصدر عبداللہ گل کا اس تبدیلی میں اہم کردار رہا۔ظاہر ہے'اسلام فوبیا' کے عالمی ماحول میں ترکی میں کمال اتاترک کی لادینی وراثت کا سمٹ جانا اور یوروپ کے ہی ایک ملک میں پھر سے اسلام کا رنگ ابھرآنا بہت سے ذہنوں میں خار کی طرح چبھتا ہے۔

صدراردغان نے استنبول کے میئر (1994-98) سے موجودہ منصب صدارت تک طویل سیاسی سفر طے کیا ہے۔ترکی کو جو'یوروپ کا بیمار' کہلاتا تھا، اقتصادی اعتبار سے مضبوط کیا، ترکی نے تعمیراتی میدان میں کمال کی ترقی کی اور دنیا کی سب سے بڑی تعمیراتی انڈسٹری کھڑی کرلی، زراعت اور باغبانی سے پیداوار اور برآمدات میں ایک دہائی میں تین گنا سے زیادہ اضافہ ہوا، عوام کی بنیادی ضرورتوں جیسے صحت خدمات، پانی کی دستیابی، سڑک، مواصلات وغیرہ کو وسعت حاصل ہوئی، تعلیم کے شعبہ میں بڑا کام ہوا، اعلیٰ تعلیم کے لئے بڑی تعداد میں بیرونی طلبہ ترکی کا رخ کرنے لگے ہیں۔ یہ سارے ترقیاتی کام صدراردغان کی مقبولیت کی بنیاد بنے، جس کا اندازہ 2016 میں فوجی بغاوت کے وقت ہوگیا تھا جب عوام جدید اسلحہ سے لیس فوجیوں اوران کے ٹینکوں کے سامنے سینہ سپر ہوگئے، ان کو آگے نہیں بڑھنے دیا اور دنیا کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

طیب اردغان کی مقبولیت کو مغربی طاقتوں نے بہت سنجیدگی سے لیا، کیونکہ اردغان کی اسلام پسندی نہ صرف سیکولرازم کے لیے خطرہ ہے بلکہ پورے یہودی ومسیحی اقتدار کے لیے بھی ایک چیلنج ہے، اگر ترکی دوبارہ اپنی سابقہ قوت حاصل کرتا ہے اور عثمانی شان وشوکت کے ساتھ وہ عالمی سیاست میں قدم رکھتا ہے تو مغربی طاقتوں کو دوبارہ سرنگوں ہونا پڑسکتا ہے، اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اردغان اپنی تقاریر میں یہ کہتے کیوں نظر آتے ہیں کہ 2023ء کے بعد ترکی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔، انھوں نے بارہا کہا ہے کہ 2023ء کے بعد ترکی ایک کمزور اور بیمار ملک نہیں رہے گا بلکہ ایک طاقت ور اور ترقی یافتہ ملک کی حیثیت سے ابھر کر یورپی سازشوں کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہوگا، ہم ترک سرزمین پر اپنی ضرورت کے مطابق تیل اور دیگر معدنیات بھی تلاش کریں گے اور نہر سویز کی طرح ایک ایسی نہر بھی کھودیں گے جو بحر اسود کو بحرہ مرمرہ کے ساتھ ملا کر مربوط کرے گی۔اس نہر کی کھدائی کے بعد ترکی یہاں سے گزرنے والے ہر بحری جہاز سے ٹیکس وصول کرے گا۔جس سے ترک معیشت مضبوط سے مضبوط تر ہوگی۔

مذکورہ تفصیلات ہی کی روشنی میں یہ کہانی واضح ہوجاتی ہے کہ مغرب کیوں اردغان کا اس قدر سخت دشمن بنا

ہوا ہے اور مغرب کے اپنے مفادات کس طرف ہیں؟ اور اردغان کیوں ترکی کے لیے ایک پاورفل منتظم اور صدر چاہتے ہیں؟ طیب اردغان کا یہ خیال بالکل درست ہے کہ لولا لنگڑا اور کمزور صدر، ترکی کے لیے زیادہ جرات مندی سے اہم ترین فیصلے نہیں کر پائے گا اور نہ ہی یورپی ممالک کی سازشوں کا مقابلے کرنے کی اس میں جرات ہوگی۔ تجزیہ نگار کے مطابق یہ بات ترکی کے مفاد میں ہے کہ امریکی طرز پر صدارتی اختیارات سے لیس ترک فوج کا کمانڈر انچیف اور قوم کا اعتماد رکھنے والا صدر ہو جو عالمی سطح پر ترکی کو اس کا آبرومندانہ مقام دلا سکے۔

چنانچہ اسی منظر و پس منظر میں 24 جون اتوار کو ترکی میں سنسنی خیز انتخابات ہوئے، تقریباً 6 کروڑ ترک باشندوں نے اپنے حق رائے دہی کا استعمال کیا، صدارتی عہدے کے لیے 6 امیدوار میدان میں تھے،، ترکی کے انتخابی قوانین کے مطابق اگر کسی بھی امیدورا کو ۵۰ فیصد سے زائد ووٹ نہیں ملتے تو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے دو امیدواروں کے درمیان دوبارہ الیکشن کرایا جاتا ہے جسے Run-Off کہا جاتا ہے۔، اور اس کے لیے 8 جولائی کی تاریخ طے تھی، طیب اردغان کی پوری کوشش تھی کہ انھیں 50 فیصد سے زائد ووٹ حاصل ہو جائیں تاکہ انھیں ووٹنگ کے دوسرے راونڈ میں نہ جانا پڑے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اردغان کو 53 فیصد ووٹ حاصل ہوئے جبکہ ان کے حریف محرم انسے کو 31 فیصد ووٹ ملے، اس طرح رجب طیب اردغان نے صدارتی الیکشن میں تاریخی کامیابی حاصل کر لی۔

ترکی انتخابات کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کے لیے جیسی انتخابی مہم ترکی میں چلی اُس سے کہیں زیادہ جوش و خروش یورپ میں نظر آیا، فرانس کے صدر ایمیونل میکرون، ہالینڈ کے وزیر اعظم مارک روٹے (Mark Rutte)، جرمن چانسلر انجیلا مرکل اور ہنگری کے متعصب قوم پرست وزیر اعظم وکٹر اربن (Victor Orban) کے ساتھ امریکی رہنماؤں نے طیب اردغان کے خلاف زبردست مہم چلائی، یورپی ممالک میں ''صدر اردغان ایک ڈکٹیٹیر'' کے عنوان سے بڑے بڑے پوسٹر لگا دئے گئے، ترک قانون کے تحت غیر ممالک میں آباد ترک شہریوں کو بھی ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہے، چنانچہ ترکی کی سیاسی جماعتیں یورپ کے بڑے شہروں میں بھی جلسے اور ریلیاں منعقد کرتی رہیں، لیکن اردغان کی پارٹی AKP کو یورپ میں کسی بھی طرح کے سیاسی جلسہ کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔

گزشتہ سال اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے رجب طیب اردگان نے ''لوزان معاہدہ'' کے بارے میں کہا تھا کہ یہ وہ معاہدہ ہے جس کے تحت ترکی کو خلافت و شریعت سے دستبردار ہونا پڑا تھا، یہ معاہدہ ہم پر جبراً مسلط کیا گیا تھا جو عسکری یلغار کے سائے میں ہوا تھا اور اس میں ترک عوام کی مرضی شامل نہیں

تھی۔اردغان کے اس بیان سے تاریخ کا شعور رکھنے والے کارکنوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ 2023ء میں اس معاہدہ کی مدت ختم ہونے پر اردگان کے عزائم کیا ہیں؟اسی لیے پورا مغرب طیب اردغان کے مخالفوں کی پشت پر کھڑا ہو گیا۔

ترکی میں صدارتی انتخابات نومبر 2019ء کو ہونے تھے لیکن صدر طیب اردغان نے قبل از وقت انتخاب کرانے کا فیصلہ کیا،ان کا موقف تھا کہ تیزی سے بدلتی علاقائی صورت حال،خاص طور سے شام میں نیٹو اور امریکہ کی جانب سے ترک مخالف دہشت گردوں کی پشت پناہی،یورپ کی جانب سے غیر اعلانیہ اقتصادی پابندیوں اور دوسری متوقع آزمائشوں کے پس منظر میں حکمرانی کے لیے عوامی اعتماد کی تجدید کی ضرورت ہے، چنانچہ انھوں نے 24 جون کو انتخابات کا اعلان کر دیا،قومی اسمبلی تحلیل کر دی اور صدارتی و پارلیمانی انتخابات ایک ہی دن منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔اپنے اقتدار کی مدت کو رضا کارانہ طور پر کم کر کے انتخابات کا اعلان ایک طرف اردغان کے حق میں تازہ سیاسی اقتدار (Mandate) کے حصول کا ایک مثبت جمہوری اقدام تھا،تو دوسری جانب مغربی طاقتوں کے لیے سخت تشویش وفکرمندی کا باعث،چناں چہ 18 اپریل کو صدر اردغان کی جانب سے قبل از وقت انتخاب کے اعلان کے ساتھ ہی ''ترکی آمریت کی راہ پر'' کے عنوان سے مراکزِ دانش (Think Tanks) نے سارے یورپ میں مذاکرے اور سیمینار منعقد کیے اور متنبہ کیا کہ نئے آئین میں ترک صدر کو بہت زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں اور اگر اردغان دوبارہ صدر منتخب ہو گئے تو عثمانی خلافت کی تجدید بس چند دنوں کی بات ہو گی۔

اردغان کے خلاف پروپیگنڈوں کے ساتھ ہی ان کے مقابلہ کے لیے ایک مضبوط امیدوار کی تلاش شروع ہوئی،2014ء کے صدارتی انتخاب میں روایتی سیکولر امیدوار کے بجائے OIC کے سابق سیکریٹری جناب اکمل الدین احسان اوغلو کو میدان میں اتارا گیا تھا تا کہ اسلام پسندوں کے ووٹ تقسیم کیے جا سکیں،اِس بار پھر وہی حکمت عملی اختیار کی گئی اور سابق صدر اور AKP کے رہنما جناب عبداللہ گل کو متحدہ حزبِ اختلاف کا ٹکٹ پیش کیا گیا،لیکن اردغان سے ناراضی کے باوجود عبداللہ گل راضی نہ ہوئے۔

عبداللہ گل کے بعد سیاسی میدان میں ابھرتی ہوئی خاتون رہنما میرال آقسینر (Meral Aksener) کو اردغان کے مقابل تیار کیا گیا،میرال ترک عوام میں ایک مقبول ومعروف نام تھا،خاتون ہونے کی بنا پر ترک میں ایک نیا جوش تھا،پہلی خاتون صدر کی حیثیت سے ترکی ایک نئی تاریخ رقم کرنے کی راہ پر تھا،اور یہ اس لیے بھی دشوار نہیں تھا کہ میرال کی شہرت نجم الدین اربکان کی شاگردہ کی حیثیت سے تھی،اور انہیں کے بینر تلے میرال

نے اپنا سیاسی سفر شروع کیا تھا، وزیر اعظم تانسو چلر کی مخلوط حکومت میں مختصر عرصے کے لیے وزیر داخلہ بھی بنی تھیں، کچھ عرصے بعد وہ رفاہ پارٹی سے الگ ہو کر نیشنلسٹ موومنٹ پارٹی (MHP) میں شامل ہو گئیں اور پھر جلد ہی اپنی جماعت بنالی۔ اس متنوع سیاسی پس منظر کی بنا پر اسلام پسند، قوم پرست اور سخت گیر سیکولر طبقات سمیت تمام سیاسی مکاتبِ فکر میں ان کے لیے نرم گوشہ پایا جاتا تھا، چنانچہ ان کے نام پر مہر لگا دی گئی اور نئے جوش وخروش کے ساتھ انتخابی مہم کا آغاز ہوا۔

سیاسی و مذہبی پس منظر کے ساتھ میرال کی انتخابی سرگرمیوں نے ترکی سیاست میں ہلچل مچا دی، اور طیب اردغان کے مقابل انھیں ایک مضبوط امیدوار تسلیم کیا جانے لگا لیکن اسی دوران یہ انکشاف ہوا کہ محترمہ میرال کو فتح اللہ گولن کی سرپرستی حاصل ہے۔ فتح اللہ گولن وہی پراسرار شخص ہیں جنھیں ترکی میں امریکی ایجنٹ کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، اور انہیں کو 15 جولائی 2016ء کو ہونے والی ناکام فوجی بغاوت کا کلیدی ملزم گردانا جاتا ہے، چنانچہ فتح اللہ گولن کا نام سامنے آتے ہی میرال کی مقبولیت کا گراف تیزی سے اوندھے منھ آ گرا، اس طرح طیب اردغان کے مقابل ان کی دعویداری ختم ہو گئی۔

میرال کے فلاپ ہونے کے بعد حزبِ اختلاف کا سیاسی سفر پھر نقطۂ آغاز پر آ رکا، نئے سرے سے ایک ایسے نام کی تلاش شروع ہوئی جو اردغان کو مضبوط ٹکر دے سکے، اس دوران ری پبلکن پارٹی (CHP) کے امیدوار پروفیسر محرم انجے اپنی انتخابی مہم کو خاصہ منظم کر چکے تھے، وہ طبعیات کے پروفیسر اور نظریاتی طور پر سیکولر ہیں، میرال سے مایوس ہو کر یورپ اور ترکی کے سیکولر عناصر نے اپنا سارا وزن محرم انجے کے پلڑے میں ڈال دیا اور زور دار انتخابی مہم کا آغاز ہوا۔

میڈیا نے پروپیگنڈوں کے ساتھ نفسیاتی جنگ کا بھی آغاز کر دیا جس میں امریکہ کا FOX ٹیلی ویژن پیش پیش تھا، فوکس کے ساتھ بی بی سی، جرمن میڈیا اور یورپ کے تجزیہ نگاروں نے بھی رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی، اور اردغان کی مقبولیت کا گراف کم کرتے ہوئے پرزور طریقے سے یہ تاثر دیا کہ ان کی مقبولیت بمشکل 46 سے 48 فیصد ہے، جبکہ کامیابی کے لیے 50 فیصد ووٹ ضروری ہیں، لہٰذا جب 24 جون کو فیصلہ آئے تو اردغان اپنی منزل سے دور ہوں گے، جس کے نتیجہ میں قانون کے مطابق پہلی اور دوسری پوزیشن پر آنے والے امیدواروں کے درمیان فیصلہ کن مقابلہ یعنی Run-Off ہوگا۔ ان تجزیوں نے اردغان مخالفین کا حوصلہ بلند کر دیا۔ ایک طرف انتخابی مہم میں شدت آئی تو دوسری طرف پارلیمانی انتخابات کے لیے CHP نے محترمہ میرال کی IYI پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے ساتھ مل کر ایک قومی اتحاد تشکیل دے دیا او پھر سعادت پارٹی بھی

اس اتحاد میں شامل ہوگئی۔ اسی کے ساتھ صراطِ مستقیم پارٹی، بائیں بازو کی ڈیموکریٹ لیفٹ پارٹی اور مادر وطن پارٹی نے بھی قومی اتحاد کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ نیشنلسٹ موومنٹ پارٹی (MHP) پہلے ہی سے اردغان کی اتحادی تھی، چنانچہ ان دونوں پارٹیوں نے مل کر پارلیمانی انتخاب کے لیے عوامی اتحاد قائم کر لیا اور جلد ہی اسلامی خیالات کی حامل دائیں بازو کی ایک چھوٹی جماعت BBP بھی عوامی اتحاد کا حصہ بن گئی۔

سیکولرازم کا تحفظ، شہری آزادی اور ترک قوم پرستی محرم انجے کے منشور کا حصہ تھے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے خانہ جنگی کا شکار شامیوں کو پناہ دینے پر صدر اردغان کو شدید تنقید کا نشانہ بھی بنایا جو محرم کے خیال میں ملکی معیشت پر بوجھ ہیں۔ اس کے بالمقابل اردغان کی انتخابی مہم کی بنیاد شفاف طرزِ حکمرانی، عثمانی اقدار، دفاعی صنعت میں خود کفالت کے ساتھ دنیا بھر میں انسانی حقوق کی پاسداری پر تھی۔ اس آخری نکتے پر ''سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے'' کی پھبتی کسی گئی، لیکن سلیم الفطرت ترکوں نے اسے بہت پسند کیا۔

انتخابی مہم کے آغاز سے ہی اردغان کا پلہ بھاری تھا لیکن CHP کو ایک جامع اتحاد کی بنا پر یہ توقع تھی کہ وہ پہلے مرحلے میں مطلوبہ 50 فیصد ووٹ نہیں لے سکیں گے، اور اردغان کو دوسرے مرحلے کے براہِ راست انتخاب میں شکست دے دی جائے گی، اسی وجہ سے انتخابات کے روز زبردست جوش و خروش پایا گیا، لیکن نتائج نے سیکولر اتحاد کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور طیب اردغان پہلے ہی مرحلہ میں اکثریت حاصل کر کے کمال اتاترک کے بعد سب سے زیادہ طاقتور رہنما بن گئے اور 2023ء تک کے لیے ملک کے صدر قرار پائے۔

یہ انتخابات اس لحاظ سے بے حد اہم تھے کہ اب ترکی میں صدارتی نظام پر عمل درآمد شروع ہو جائے گا، اس نظام کے تحت انتظامیہ اور مقننہ (پارلیمان) کو بالکل علیحدہ کر دیا جائے گا اور امریکہ کی طرح وزرا قومی اسمبلی کے رکن نہیں ہوں گے، بلکہ اگر صدر نے کسی رکنِ قومی اسمبلی کو کابینہ کا رکن نامزد کیا تو اُسے وزارت کا حلف اٹھانے سے پہلے پارلیمان کی رکنیت سے استعفیٰ دینا ہوگا، پارلیمنٹ صرف قانون سازی کے فرائض سرانجام دے گی اور تمام انتظامی اختیارات صدر کے پاس ہوں گے، وزیر اعظم کا منصب ختم کر دیا جائے گا اور صدر اپنی نیابت کے لیے نائب صدر نامزد کریں گے جو پارلیمان کا سربراہ ہوگا۔

ترکی میں نافذ ہونے والے صدارتی نظام کے تجزیہ کے بعد یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ آج زمام اقتدار رجب طیب اردغان جیسے دیندار شخص کے سپرد ہے، اور امید ہے کہ وہ ان اختیارات کو ترک قوم اور امت مسلمہ کے حق میں مؤثر تر بنائیں گے، تاہم سیاسی مفکرین کا کہنا ہے کہ ایسا نظام حکومت جس میں کل اختیارات ایک فرد یا اس کے گرد چند افراد کے ہاتھوں میں سمٹ آتے ہیں، اس وقت بدترین نظام بن جاتا ہے جب بدنیتی، کوتاہ اندیشی

اور غلط روی راہ پا جائے، موجودہ قانون کے تحت صدر اردغان زیادہ سے زیادہ 2023ء تک برسر اقتدار رہ سکتے ہیں۔لیکن کیا لازم ہے ان کے بعد میں آنے والے افراد بھی ملک وملت کے مفاد میں ان اختیارات کو جو صدر محترم نے اپنے لئے حاصل کئے ہیں، اسی زیرکی اور دیانت سے استعمال کر سکیں گے؟ نئے نظام میں وزیر اعظم کا منصب ختم ہو جائے گا۔ وزیروں کا تقرر براہ راست صدر کریں گے، اس لئے وہ صدر کو جواب دہ ہوں گے پارلیمنٹ کو نہیں، جس سے پارلیمنٹ کمزور ہوگی۔ ایسا نظام جس میں موثر نگرانی اور توازن (Checks and balances) کا میکانزم شامل نہ ہو، ملک ومعاشرے کے لئے خطرہ بن جاتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جب بڑی عیار طاقتیں دیگر ممالک کے حکمرانوں اور وسائل کا استعمال اپنے مفاد میں کرنے کی مہارت رکھتی ہیں۔ یہ صورت عوام میں بے اطمینانی اور ملک میں شورش کو ہوا دے سکتی ہے، اس لیے ہمیں سکہ کے اس دوسرے رخ سے بھی باخبر رہنے کی ضرورت ہے، اور اردغان سے یہ امید کی جا سکتی ہے کہ وہ اس نظام میں دیر سویر سیکولرازم کی جگہ اسلامیت کو جز لاینفک کے طور پر شامل کریں گے تاکہ ان کے بعد کوئی ایسا شخص آسانی سے کرسی اقتدار پر قابض نہ ہونے پائے جو ان اختیارات کا غلط استعمال کرے اور عالم اسلام ایک بار پھر کمال اتاترک کے عہد اقتدار کو دیکھ کر خون کے آنسو بہائے۔

انتخاب جیت جانے کے بعد طیب اردغان کو بہت سے سنگین چیلنجز کا سامنا ہے، یورپ کے اکثر ممالک کا رویہ ترکی سے معاندانہ ہے جس کی وجہ سے ان ممالک نے بعض غیر اعلانیہ پابندیاں بھی عائد کر رکھی ہیں، اور آگے بھی وہ اپنی دشمنیاں ظاہر کرتے رہیں گے، گزشتہ کچھ عرصے سے ترک لیرا (Turkish Lira) شدید دباؤ میں ہے ادھر چند ماہ کے دوران اس کی قیمت میں 20 فیصد کمی واقع ہوئی ہے۔ ترکی کی عراق اور شام سے ملنے والی سرحدوں پر کشیدگی ہے جس کی وجہ سے انقرہ کے دفاعی اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ اقتصادی ترقی کے لیے اردغان نے طیارہ سازی کی صنعت کے قیام، شمسی توانائی کے فروغ اور دفاعی صنعت کو ترقی دینے کا منصوبہ بنایا ہے۔ ترک قوم 5 سال بعد 2023ء میں اپنی آزادی کا سوسالہ جشن منائے گی، صدر اردغان نے 2023ء میں ملک کی فی کس آمدنی کے لیے 23 ہزار ڈالر کا ہدف طے کیا ہے جبکہ اس وقت فی کس آمدنی 11 ہزار ڈالر کے قریب ہے۔ گویا وقت کم اور مقابلہ سخت!

فقہ وفتاویٰ

حادثاتی اموات سے متعلق چند احکام

ادارہ

میت کا صرف سر دستیاب ہوا

مسئلہ: اگر کسی میت کا صرف سر یا بدن کا نصف حصہ دستیاب ہوا تو نہ تو اسے غسل دیا جائے گا اور نہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ بلکہ اُسے ویسے ہی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفنا دیا جائے گا۔(درمختار بیروت ۸۶/۳)

نصف دھڑ دستیاب ہوا

مسئلہ: کسی میت کے بدن کا نصف سے زائد حصہ (خواہ سر سمیت یا سر کے بغیر ہو) دستیاب ہوا تو اس کو باقاعدہ غسل دے کر کفن پہنا کر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اس کے بعد دفنایا جائے گا، اور اگر صرف نصف حصہ دستیاب ہوا تو دیکھا جائے گا کہ اس کے ساتھ سر ہے یا نہیں؟ اگر سر ہے تو اُسے غسل دے کر تجہیز وتکفین کی جائے گی، ورنہ ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر نماز پڑھے بغیر دفنا دیا جائے گا۔(درمختار بیروت ۸۶/۳)

سمندری سفر کے دوران وفات

مسئلہ: اگر سمندری سفر کے دوران کسی شخص کا انتقال ہوجائے اور ساحل تک پہنچنے میں اتنی دیر ہو کہ نعش کے خراب ہونے کا خطرہ ہو، تو ایسی صورت میں میت کو حسبِ دستور غسل وکفن دے کر نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے گی اور اس کے بعد کوئی وزنی چیز سے باندھ کر میت کو سمندر کے حوالے کر دیا جائے گا تاکہ لاش اوپر نہ تیرے، اور اگر ساحل قریب ہو تو قدرے انتظار کیا جائے گا اور خشکی میں لاکر باقاعدہ تدفین کی جائے گی۔(احسن الفتاویٰ: ۲۵۰/۴)

لاش جل کر کوئلہ ہوگئی

مسئلہ: اگر آگ زنی کے کسی حادثہ میں نعش جل کر بالکل کوئلہ ہوگئی تو اُسے غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ بلکہ کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے گا۔(بدائع الصنائع: ۲۹/۲)

(ماخوذ از: کتاب المسائل ج:۱ص:۵۵۹، ۵۶۰)

خبرنامہ

عالم اسلام کی خبریں

✷ شام کے شہر عدلب میں ایک ملین بچوں کی زندگی داؤ پر: یونیسیف (روزنامہ سیاست، ۱۵؍اگست ۱۸ء)

✷ قطر کا ترکی میں ۱۵ بلین ڈالرس سرمایہ کاری کرنے کا عہد۔ (روزنامہ سیاست، ۱۷؍اگست ۱۸ء)

✷ قطر کا سیلاب زدہ کیرالا کو ۵۰ لاکھ امریکی ڈالر عطیہ کا اعلان۔ (روزنامہ سیاست، ۲۰؍اگست ۱۸ء)

✷ مخالف جنس سے مصافحہ سے انکار پر مسلم جوڑ اسوئٹزرلینڈ کی شہریت سے محروم (روزنامہ اعتماد، ۲۰؍اگست ۱۸ء)

✷ اسرائیل نے فلسطینیوں کے تحفظ کی تجاویز مسترد کردیں۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۰؍اگست ۱۸ء)

✷ مصر میں فلسطینیوں کے ساتھ اہانت آمیز سلوک بند کیا جائے۔حماس (روزنامہ اعتماد، ۲۰؍اگست ۱۸ء)

✷ ترک سے معاشی جنگ چھیڑنے والوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا ہوگا۔اردگان (روزنامہ اعتماد، ۲۱؍اگست ۱۸ء)

✷ امام کعبہ شیخ ڈاکٹر صالح الطالب اپنی تقریر میں کنسرٹس اور تفریحاتی تقریبات میں مرد وزن کے اختلاط پر تنقید کرنے کے سبب گرفتار۔ (روزنامہ منصف، ۲۵؍اگست ۱۸ء)

✷ سعودی عرب میں انسانی حقوق کارکنوں کو سزائیں۔ (روزنامہ منصف، ۲۵؍اگست ۱۸ء)

✷ روہنگیا پناہ گزینوں کے حالات بدستور سنگین: ڈبلیو، ایچ، او (روزنامہ اعتماد، ۲۵؍اگست ۱۸ء)

✷ آئندہ برسوں میں حجاج کی تعداد پچاس لاکھ ہوجائے گی: گورنر مکہ، نیز اس سال ایک لاکھ دس ہزار غیر قانونی حجاج کے خلاف قانونی کاروائی۔ (روزنامہ سیاست، ۲۵؍اگست ۱۸ء)

✷ امریکہ نے فلسطینیوں کے لئے امداد میں ۲۰ کروڑ ڈالر کی کمی کردی۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۶؍اگست ۱۸ء)

✷ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کے نتائج کا ذمہ دار اسرائیل ہوگا: محکمہ اوقاف (روزنامہ منصف، ۲۷؍اگست ۱۸ء)

✷ بنگلہ دیش میں ہزاروں روہنگیا مہاجرین کا انصاف کے لئے مظاہرہ۔ (روزنامہ منصف، ۲۷؍اگست ۱۸ء)